

# مفتاح سلوک

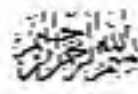
میں سے حاصل ہو سکتا ہے



مفتی سیدنا الشیخ نور الدین قادری

مفتی سیدنا الشیخ نور الدین قادری

[www.alhaqqania.org](http://www.alhaqqania.org)



# مقام رسول کریم ﷺ

کتاب وسنت کی روشنی میں

مؤلفہ

فقیر العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ  
بانی جامعہ حقانیہ سائبر وال سرگودھا

ناشر

جامعہ حقانیہ سائبر وال سرگودھا

048-5785002/5785899

نام کتاب	مقام رسول کریم ﷺ کتاب و سنت کی روشنی میں
مؤلف	فقہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی نور اللہ مرقدہ
کمپوزنگ	حقانیہ کمپوزنگ سنٹر
ناشر	جامعہ حسانیہ سائیہوال سرگودھا
تعداد	گیارہ سو

## ملنے کے پتے

مولانا محمد آصف چیموٹی مدرس جامعہ حسانیہ سائیہوال سرگودھا

0300-7718141 / 0342-7735235

مکتبہ عائشہ حق اسٹریٹ اردو بازار لاہور 0300-9233714

چیموٹی کتب خانہ محلہ گڑھا چیموٹی 0321-7702845

مدرسہ مدرسۃ العلوم مقام حیات سرگودھا 0300-6008924

## ناشر

جامعہ حسانیہ سائیہوال سرگودھا

048-6786002

## حرف اولین

از قلم: حضرت مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم  
مہتمم جامعہ صحتانیہ سہیلوال سہیل گودھا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بعد الحمد والصلوة: کافی عرصہ پہلے ”مقام رسول کریم ﷺ“ کے نام سے حضرت اقدس والد ماجد قدس سرہ نے ایک مضمون بدرالعلماء حضرت مولانا بدر عالم میٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عظیم و شہرہ آفاق کتاب ”ترجمان السنہ“ کو سامنے رکھ کر مرتب فرمایا تھا جسے اس وقت ملک کے مشہور و معروف جریدہ ”ماہنامہ الحق“ نے شائع کیا۔ سالہا سال کے بعد جامعہ صحتانیہ کے ترجمان ”مجلہ صحتانیہ“ نے بھی اسے کئی قسطوں میں شائع کیا۔

احقر کا عرصہ سے تقاضہ تھا کہ اسے مشکل رسالہ کی صورت میں شائع کیا جائے تاکہ اس کی افادیت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو سکے اس ضرورت کو برادر عزیز مولوی محمد آصف چیموٹی سلمہ اللہ تعالیٰ نے محسوس کر لیا اور اسے اب آب و تاب کے ساتھ الگ شائع کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور دارین میں اس کا نفع عطا فرمائیں، مضمون اپنی عظمت و جامعیت کے اعتبار سے نہایت درجہ عظیم الشان اور گونا گوں محاسن کا حامل ہے عوام و خواص، طلباء و طالبات سب کے لیے مفید ہے امید ہے کہ سب ہی اس کی قدر دانی کریں گے، واللہ الموفق والمعين۔

فقط احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

جامعہ صحتانیہ سہیلوال سہیل گودھا

۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ

صفحہ نمبر	فہرست عنوانات	نمبر شمار
3	حرف اولین	1
7	مختصر حالات	2
15	چون لفظ	3
17	مدار نجات	4
۰	ایمان بالرسول ﷺ اصل اسوں ہے	5
18	امام رازی رحمہ اللہ کا ارشاد	5
۰	اقوام عام پر نظر	7
19	ضروریات دین	8
21	ایمان کے شرعی معنی	9
۰	قرآن سے تائید	10
22	لفظ غیب کے معنی	11
۰	ایمان اور تصدیق میں فرق	12
23	اوقات صلاحوں کی غلطی	13
۰	ایمان کی روح	14
۰	ملائکہ، انبیاء اور صحابہ کا ایمان	15
24	ایک سطحی شبہ کا زائل	16
25	رسول و اوتار اور ہروز	17
۰	عقلی دلیل	18
26	انسانیت رسول کا کیا ہے	19
27	انبیاء علیہم السلام کی بشریت کا عقیدہ	20
28	قرآنی مسئلہ	21
۰	فاضل میاض مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ	22
29	عقلی مسئلہ	23

24	بشریت کا مطلب	۰
25	امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد	30
26	عام کے اندر قدرتی تفاوت و تقاضا	۰
27	فروع انسانی کے افراد میں تفاوت	31
28	انبیاء علیہم السلام کا صحیح مقام	32
29	جنور دنیوی کے بعض خواص	۰
30	ان کائنات کے باوجود بھی وہ بشری ہیں	33
31	رسول کا تعارف لفظ رسول سے	34
32	وحدت ملی	35
33	دنیا کی تمام وحدتیں ملی وحدت کے سامنے بچھ ہیں	37
34	رسول ریاست سے نہیں بنتے بلکہ وہ منتخب شدہ ہوتے ہیں	۰
35	ریاست دنیوی ہے کہی نہیں	38
36	ریاست کا مفہوم	40
37	عقیدہ ختم نبوت ایمان کا جز ہے	۰
38	رسول اللہ دنیوی کے تصور	41
39	ضروری تنبیہ	۰
40	ختم نبوت کے معنی	42
41	صرف لفظ کا استدلال کافی نہیں	۰
42	ختم نبوت کی عقلی وجہ	43
43	نبوت نے اپنا مقصد پایا	45
44	بڑی غلط فہمی	46
45	ایک مغالطہ	47
46	غرض غلطی	۰
47	آپ کا شریعت لا آنا مہربان کے لیے رحمت ہے	48
48	بہشت عام اور ختم نبوت	۰

49	ظنی بروزی نبوت کی کوئی قسم نہیں	49
50	خفائی الرسول اور اجتماع کی وجہ سے بھی نبوت نہیں مل سکتی	50
51	حدیث اور مکلم بھی نبی نہیں ہوتے	51
52	اگر ہزارت نبوت کا جزء ہیں تو کیا ان کو نبوت کہا جاسکتا ہے؟	52
53	ختم نبوت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ امت کمالیت سے محروم ہوگئی	53
54	امت محمدیہ کے کمالیت اور عظمت	54
55	رسول اللہ ﷺ کی حیثیت	55
56	اسوۂ حسنہ رسول ﷺ کی عصمت کا دوسرا دلیل عنوان ہے	56
57	مکرمین حدیث کا عقیدہ	57
58	آیت وما ینطق عن الھویٰ کے معنی	58
59	احترام رسول ﷺ	59
60	اطاعت رسول ﷺ	60
61	مکرمین حدیث کے عقیدہ پر تبصرہ	61
62	قرآن کریم میں رسول ﷺ کی اطاعت	62
63	اطاعت رسول ﷺ کے مشکل ہونے کی توضیح	63
64	مکرمین حدیث و معاطہ	64
65	پچیدہ مسئلہ کامل	65
66	امام کی اطاعت و ابعیدہ رسول اور خدا کی اطاعت نہیں کہا جاسکتا	66
67	مکرمین حدیث کا بحیثیت رسالت رسول کی اطاعت کا انکار کرنا	67
68	رسول کی اطاعت وفات کے بعد بھی حیات کی طرح ہے	68
69	قرآن کے لیے رسول کی ضرورت	69
70	کتاب النبی علی تقلیل بھی رسول کے فرائض میں سے ہے	70
71	ما قابل فرائض بات	71
72	ایک اہم سوال	72

## مختصر حالات

فقہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ فاضل دارالعلوم دیوبند  
بانی جامعہ حسنیہ ساجیوال سد گودھا

### ولادت باسعادت

آپ کی ولادت موضع اڑوان ریاست پٹیالہ ہندوستان میں ۱۱ رجب المرجب  
۱۳۷۱ھ بمطابق مارچ ۱۹۵۳ء کو ہوئی، عبدالشکور آپ کا نام رکھا گیا بعد میں تاریخی نام  
مرغوب النبی رکھا گیا۔

### تعلیم و تربیت

آپ نے قاعدہ مدرسہ معین الاسلام قصبہ فوج ضلع گڑکانوال میوات کے  
علاقہ میں پڑھا، یہ مدرسہ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بنایا تھا،  
ابتدائی نوشت و خواندہ کے بعد اردو، ناظرہ قرآن پاک، حساب کی تعلیم مدرسہ امداد العلوم  
تھانہ بھون میں ہوئی اور قرآن کریم اسی مدرسہ میں خلیفہ حافظہ اعجاز احمد تھانوی رحمہ اللہ  
تعالیٰ سے حفظ کیا۔

### سفر حجاز

حفظ کے بعد قاری مکتب والد ماجد حضرت مفتی عبدالکریم گمٹھلوی رحمہ اللہ  
سے پڑھیں، پھر جب ۱۳۵۶ھ ۱۹۳۸ء میں والد ماجد حج کے لیے حجاز تشریف لے گئے تو  
آپ بھی ہمراہ تھے، آٹھ ماہ آپ کا قیام مدینہ منورہ میں ہوا، وہاں آپ نے ابتدائی عربی  
مکتب والد ماجد سے پڑھنے کے علاوہ حضرت قاری اسعد صاحب رحمہ اللہ وغیرہ سے



قرآن کریم کی مشق کی اور کتب تجوید پڑھیں، شیخ القراء قاری حسن شاعر رحمہ اللہ مسجد نبوی میں مقدمہ جزویہ پڑھاتے تھے آپ اس میں بھی شریک ہوتے، حجاز سے واپسی ۱۳۵۸ھ بمطابق ۱۹۳۵ء میں دوسرے حج کے بعد ہوئی۔

### عربی تعلیم

حجاز سے واپسی پر قصبہ راجپورہ ریاست پٹیالہ کے ”عربی مدرسہ“ میں مولانا سمیع اللہ خان رحمہ اللہ برادر حضرت مکی الامت مولانا مکی اللہ خان رحمہ اللہ سے ابتدائی عربی کتابیں پھر انبالہ چھاؤنی کے ”مدرسہ معین الاسلام“ میں مولانا محمد متین رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد مبین رحمہ اللہ صاحب سے کتب عربیہ متوسطہ پڑھیں۔

### سبعہ قراءت مع ثلاثہ

انبالہ چھاؤنی کے زمانہ تعلیم میں شاطبیہ حضرت والد صاحب سے پڑھی بعد ازاں شیخ القراء مولانا قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانی رحمہ اللہ کی خدمت میں پانی پت حاضر ہو کر حضرت مولانا موصوف کو سارا قرآن کریم بطریق جمع الجمع سنایا اور نقل بھی کیا اور شاطبیہ بھی دوبارہ پڑھی، اس کے بعد امام القراء قاری فتح محمد صاحب شہر رحہ اللہ سے ”الدرۃ المصنیۃ“ پڑھی اور ”شاطبیہ“ کا بعض حصہ اور ”مقدمہ جزویہ“ پورا سنایا پھر بزبان قیام دارالعلوم دیوبند حضرت قاری حفظ الرحمن رحمہ اللہ تعالیٰ سے مشق کی اور ”طبیۃ النشر“ کا بعض حصہ پڑھا۔

### تکمیل علوم

پانی پت سے فراغت کے بعد آپکے والد ماجد رحمہ اللہ نے آپ کو شاہ آباد ضلع کرنال مدرسہ حقانیہ میں اپنے پاس بلالیا اور صامی، شرح وقایہ، ہدایہ اولین، قطبی

وغیرہ کتب خود پڑھائیں، شوال ۱۳۶۲ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا مگر عید الاضحیٰ کے بعد ۱۵۴۴ء میں مدرسہ قاسم العلوم قیصر والی ضلع بہاولنگر چلے گئے اس وقت وہاں آپ کے والد محترم صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے، آپ نے جلالین والد ماجد سے اور ہدایہ اخیرین، مشکوٰۃ شریف، منطق کے دیگر اسباق مولانا ظہور احمد صاحب رحمہ اللہ سابق مدرس دارالعلوم دیوبند سے پڑھے، شوال ۱۳۶۳ھ میں آپ کا داخلہ دارالعلوم دیوبند میں ہوا وہاں آپ دو سال زیر تعلیم رہے پہلے سال مطول، شرح العقائد، ملاسن، میبذی وغیرہ کتب حضرت مولانا عبدالحق اکوڑہ عٹک حضرت مولانا عبدالحق، حضرت مولانا فخر الحسن، مولانا محمد جلیل صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھ کر اگلے سال شوال ۱۳۶۴ھ بمطابق ۱۵۴۵ء میں دورہ حدیث شریف میں داخل ہوئے اور شعبان المعظم ۱۳۶۵ھ ۱۵۴۶ء میں فراغت پائی۔

دورہ حدیث شریف میں ترمذی شریف حضرت مدنی نے شروع کرا دی تھی کہ وہ اس کے بعد تین ماہ کی رخصت پر تشریف لے گئے، آپ کی جگہ حضرت مولانا فخر الدین مراد آبادی رحمہ اللہ تقریباً تین ماہ رہ ماسی تک ترمذی شریف اور بخاری شریف کا درس دیتے رہے اس عرصہ میں ترمذی کی کتاب الصلاة اور بخاری شریف کی کتاب العلم ختم ہو گئی تھی پھر حضرت مدنی قدس سرہ تشریف لے آئے، آپ نے ترمذی جلد اول اور بخاری کی ہر دو جلد مکمل کرائیں ترمذی شریف کی جلد ثانی اور شامل ترمذی حضرت مولانا اعجاز علی رحمہ اللہ نے پڑھائی مسلم، ابوداؤد، نسائی، طحاوی، موطا امام مالک علی التتیب حضرت مولانا بشیر احمد گلاؤنچی، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، حضرت مولانا فخر الحسن، حضرت مولانا عبدالحق، حضرت مولانا عبدالحق رحمہم

اللہ تعالیٰ سے اور ابن ماجہ، وموطا امام محمد دیگر اساتذہ کرام سے پڑھیں۔

### تربیت باطنی و سلوک

آپ طالب علمی کے زمانہ میں ہی بڑی پیرانی صاحبہ رحمہا اللہ تعالیٰ کی سفارش پر حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے بیعت ہو گئے تھے، چودہ سال کی عمر تک حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ کے زیر سایہ تھانہ بھونہ میں آپ کا قیام رہا، حکیم الامت رحمہ اللہ کی وفات کے وقت آپ کی عمر اکیس سال تھی آخر تک حضرت سے تعلق رہا، جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ ۱۸۴۷ء میں مظاہر علوم بہار پور کے جلسہ میں شرکت کے بعد آپ اپنے والد ماجد اور علم محترم جناب عبدالرحیم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے خصوصی شفقت و عنایت کا معاملہ فرمایا اور از خود تحریک فرما کر پچا محترم کی لڑکی سے نکاح بھی پڑھایا حضرت کی وفات کے بعد اصلاحی تعلق حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ سے رہا پھر حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمہ اللہ سے اور پھر حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ سے رہا، ان کی وفات کے بعد حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ سے۔ حضرت علامہ عثمانی اور حضرت مفتی اعظم قدس سرہا نے آپ کو اجازت بیعت سے بھی نوازا۔

### علمی خدمات اور ہجرت پاکستان

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے کچھ عرصہ راجپورہ ریاست پٹیالہ کے مدرسہ میں تدریس کا کام کیا، اس کے بعد مدرسہ حقانیہ شاہ آباد ضلع کرنال میں مدرسہ ہو گئے اور کئی شرح جامی وغیرہ تک کتابیں پڑھائیں۔

تقسیم ملک کے بعد یکم فروری ۱۵۴۸ء کو ساہیوال ضلع سرگودھا ضلع پنجاب میں قیام ہوا، یہاں تعلیم و تبلیغ، تصنیف و افتاء اور تدریس کی عظیم اشان خدمات انجام دیں، یہاں آپ نے پہلے مدرسہ قاسمیہ کے نام سے شہر کی قدیم مسجد شہانی میں ایک مدرسہ قائم کیا، حفظ و ناظرہ کے علاوہ مشکوٰۃ تک کتابیں بھی آپ پڑھاتے رہے، ۱۵۵۳ء میں ختم نبوت کی تحریک چلی تو تین چار ماہ آپ جیل میں رہے جس کی وجہ سے مدرسہ بند ہو گیا، پھر آپ نے ۱۵۵۵ء میں نئی جگہ پر مدرسہ حقانیہ کے نام سے دینی ادارہ کی بنیاد رکھی جو تعمیر و تعلیم کے لحاظ سے محمد اللہ غیب رو بڑی ہے، اس وقت مدرسہ میں طلبہ و طالبات کی تعداد سات صد سے تجاوز ہے، مقیم طلباء سو سے زائد ہیں، حفظ و ناظرہ کے علاوہ طلبہ و طالبات کے لیے درس نظامی مع دورہ حدیث شریف کا بھی انتظام ہے، علاوہ ازیں علماء کرام اور فضلاء درس نظامی کے لیے درجہ تخصص فی الفقہ کی تعلیم کا بھی انتظام ہے جس میں انہیں دو سال تک افتاء کی تربیت دی جاتی ہے۔

۱۵۶۰ء میں مسجد حقانیہ کے نام سے آپ نے ایک عظیم مسجد کاسٹنگ بنیاد بھی رکھا جو اس وقت علاقہ کی بڑی مساجد میں شمار ہوتی ہے، عید گاہ حقانیہ کی زمین اس کے علاوہ ہے جس پر عید کی نماز ادا کی جاتی ہے، مسجد زینب کے نام سے دوسرا جامع مسجد بھی الگ تعمیر ہو چکی ہے اس کے ساتھ جامعہ کی شاخ بھی ہے جس میں قرآن کریم کی تعلیم دی جاتی ہے۔

مزید توسیع کے لیے تقریباً ۱۰ کنال زمین الگ بھی خرید لی گئی ہے اس میں فی الحال دو مدرسے قرآن کریم کی تعلیم دے رہے ہیں، ساہیوال شاہپور روڈ پر بھی تین

کنال جگہ میں مسجد اور مدرسہ کی تعمیر زیر غور ہے، مدرسہ البنات کی عمارت اس کے علاوہ ہے جس میں دورہ حدیث تک درس نظامی پڑھایا جاتا ہے۔

جامعہ کے شعبہ دارالافتاء سے کئی ہزار تحریری فتاویٰ جاری ہو چکے ہیں جس میں تقریباً دس ہزار فتاویٰ کا ریکارڈ محفوظ ہے ان پر تحقیق و تبویب کا سلسلہ جاری ہے، آپ کے ان فتاویٰ کا نام ”امداد السائل فی الاحکام والمسائل“ رکھا گیا ہے۔

### تصنیف و تالیف

حضرت مفتی صاحب نے تصنیف و تحریر کا عظیم سلسلہ بھی بڑی محنت سے جاری رکھا اور بہت سی گرانتھ رکتب تحریر فرمائیں، اس وقت آپ کی تصنیفات، رسائل مقالات و مضامین کی تعداد ۲۰۰ سے متجاوز ہے ان میں بعض تصنیفات کے نام یہ ہیں:

- (۱) مکتبہ احکام القرآن للشیخ محمد ادریس کاندھلوی (۲) مکتبہ احکام القرآن للعلامہ الشیخ ظفر احمد عثمانی (۳) تترۃ البیان فی ترجمۃ القرآن (۴) اشرف البیان فی علوم القرآن (۵) ہدایہ الخیران فی جواہر القرآن (۶) تقریر ترمذی شریف (۷) خلاصۃ الارشاد فی مسئلہ الاستمداد (۸) ادراک الفضیلۃ فی الدعاء بالوسیلۃ (۹) اسلامی حکومت کا مابائی نظام (۱۰) شخصی ملکیت اور اسلام (۱۱) دعوت و تبلیغ کی شرعی حیثیت (۱۲) حیات انبیاء کرام علیہم السلام (۱۳) مجموعہ فتاویٰ امداد السائل فی الاحکام والمسائل (۱۴) گاول میں جمعہ کا شرعی حکم (۱۵) گستاخ رسول ﷺ اور مرتد کی شرعی سزا (۱۶) عورت کی سربراہی اور اسلام (۱۷) تحریک پاکستان کی شرعی حیثیت (۱۸) عقائد علماء دیوبند (۱۹) رویت ہلال کی شرعی حیثیت (۲۰) فضائل جہاد (۲۱) تذکرۃ الظفر (۲۲) تذکرہ شیخ

الاسلام حضرت مدنی (۲۳) معارف حضرت مدنی (۲۴) تذکرۃ الشیخ محمد زکریا کاندھلوی  
(۲۵) اشرف المعارف (۲۶) حضرت افغانی کی تفسیری خدمات (۲۷) حضرت مفتی  
اعظم کی تفسیری خدمات (۲۸) تاریخ مدارس دینیہ (۲۹) مدنی مدارس اور ان کا نصاب  
تعلیم (۳۰) نفاذ شریعت بل اسمبلی کی ذمہ داری اور علماء کا کردار (۳۱) ابوالاعلیٰ  
مودودی صاحب کے نظریات پر ایک تحقیقی نظر (۳۲) محمود احمد عباسی کے نظریات پر  
تحقیقی نظر (۳۳) تفسیر ترجمان القرآن اور ابوالکلام کے نظریات پر ایک نظر وغیرہ۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی عظیم عبقری شخصیت اپنے دور میں اسلاف  
کی یادگار اور معجزات دہریں سے تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہر و باطن کا جامع  
بنایا تھا آپ نے جہاں وقت کے اکابر اور اولیاء العلم والفضل اور نابغہ روزگار شخصیات  
سے اکتساب فیض کیا وہیں وقت کے مجدد اور حکیم الامت سے فیض باطنی حاصل  
کرنے کی سعادت بھی پائی۔

محدث جلیل حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ صاحب اعلاء السنن،  
مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ، مخدوم العلماء حضرت مولانا  
خیر محمد جالندھری، فقیہ ملت حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہم جیسی عظیم  
ہستیوں کو آپ پر ہمیشہ اعتماد رہا، اہل علم میں آپ کی تصنیفات و تحقیقات اور باب  
قناوی میں آپ کے وقیع قناوی بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

مسلک دیوبند اور بطور خاص مسلک اشرفی کی ترجمانی میں آپ کو صفت اول  
کے علماء میں شمار کیا جاتا ہے، غرضیکہ آپ کی علمی، فقہی، تصنیفی، تدریسی خدمات کے  
پیش نظر صرف جامعہ حقانیہ سہیوال اور علاقہ ہی نہیں بلکہ پورے ملک میں آپ کا



فیض جاری ہے، ضعف اور بیماری نیز کبررسی کے عالم میں بھی آپ دینی خدمات بڑی سہجی سے انجام دیتے رہے۔

جامعہ حقانیہ کے علاوہ کئی دوسرے دینی مدارس کی بھی آپ سرپرستی اور اہتمام و رہنمائی فرماتے رہے، دینی ادارے اور ملک کے کئی بڑے جامعات کی شوریٰ میں بھی آپ شامل رہے۔

### سانحہ وفات

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ساری زندگی دینی، علمی، فقہی خدمات میں گزاری اور ۵ شوال المکرم ۱۴۲۱ھ بروز سوموار یکم جنوری ۲۰۰۱ء کو انتقال فرمایا، اگلے روز آپ کا جنازہ حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم نے پڑھایا، ہزاروں افراد نے اس میں شرکت کی اور عصر سے قبل حقانیہ قبرستان سایہوال سرگودھا میں آپ کی تدفین ہوئی، نور اللہ مرقده سقی اللہ ثراہ وجعل الجنة مشواہ و مأواہ، آمین۔

حضرت اقدس رحمہ اللہ کے بالواسطہ اور بلاواسطہ ہزاروں تلامذہ، مدارس اور آپ کی وسیع علمی تصنیفات و فتاویٰ آپ کے لیے بہترین صدقہ جاریہ اور باقیات صالحات ہیں، بطور خاص مدرسہ جامعہ حقانیہ، جامع مسجد حقانیہ، عید گاہ حقانیہ آپ کی عظیم یادگار ہیں، حق تعالیٰ ان کو ہمیشہ قائم رکھیں اور حضرت کے درجات کو بلند فرمائیں، آمین۔

تفصیلی حالت کیلئے کتاب ”حیات ترمذی“ مولفہ مفتی سید عبدالقادر ترمذی صاحب مدظلہم، مستم جامعہ حقانیہ سایہوال سرگودھا کا مطالعہ فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

### پیش لفظ

فقیر العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

مقام رسالت و نبوت کی صحیح پہچان نہ ہونے اور اس کو اچھی طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے دیکھا جا رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حقوق اطاعت و محبت اور عظمت وغیرہ میں اکثر کوتاہی برتی جا رہی ہے اور ان برگزیدہ ہستیوں کے بارہ میں طرح طرح کے افراط و تفریط سے کام لے کر ان کی حق تلفی کی جا رہی ہے، یہاں تک کہ ایک گروہ نے تو ان حضرات کو عام انسانوں کی سطح پر لا کھڑا کرنے کی کوشش میں اتہا کر دی، ان کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کی حیثیت صرف اتنی ہے کہ جتنی کہ ایک پیغام پہنچانے والے انسان اور چٹھی رسالہ کی جوتی ہے (العیاذ باللہ) اور دوسرے گروہ نے ان حضرات کے ذاتی کمالات اور فطری خصوصیات کو دیکھ کر ان کی بشریت کے واضح اور صاف قرآنی مسئلہ کو ایسا بجا دیا کہ گویا وہ اس سے انکاری ہے اور اس کے نزدیک مقام رسالت اور بشریت میں منافات اور تضاد ہے۔

زیر نظر مقالہ اس غرض سے ترتیب دیا گیا ہے کہ مقام رسالت سے متعلق متذکرہ غلطیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی اور اصلاح ہو اور انبیاء علیہم السلام کے حقوق و آداب کے بارہ میں افراط و تفریط سے بچ کر راہ اعتدال اور مسلک حق واضح ہو جائے۔

یہ مضامین بڑے عمدہ پیرائے بیان کے ساتھ ”ترجمان السنہ“ میں موجود ہیں مگر چونکہ وہ کسی ایک مقام پر مرتب شدہ شکل میں نہیں تھے بلکہ ”ترجمان السنہ“ کی ضخیم جلدوں میں سینکڑوں صفحات اور متفرق مقامات پر بکھرے ہوئے تھے اس



لیے مرتب نے وہاں سے ہی منشر مضامین کو مختلف مقامات سے ایک عنوان کے تحت جمع کرنے کی محنت و سعی کی ہے تاکہ ان منشر اور منترق مضامین سے ناظرین مہولت کے ساتھ استفادہ کر سکیں اور جگہ جگہ سے اتنی ضخیم کتاب کی ورق گردانی کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

مرتب نے چونکہ صرف عبارات کے نقل اور جمع کرنے کی خدمت ہی انجام دی ہے اس لیے اس مقالہ کی خوبیوں اور اس کے محاسن میں مرتب کا کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ یہ ”ترجمان السنہ“ کے مصنف ہی کا فیض ہے اور اس کے محاسن کا شمار مصنف ہی کے حسانت میں ہونا چاہیے۔

البتہ مقالہ کی ترتیب کیلئے ”ترجمان السنہ“ کی عبارت میں بہت جگہ حذف و زیادت اور اضافہ و ترمیم بھی کیا گیا ہے اور اس طرح اصل عبارت میں بہت جگہ تغیر ہو گیا ہے اس لیے ناظرین کو اگر کسی جگہ مقالہ کے مضامین میں بے ربطی اور کوئی خلا نظر آئے یا کسی قسم کا اشتباہ محسوس ہو تو اس کو مصنف علامہ کی طرف منسوب نہ کیا جائے بلکہ اس کو مرتب کی نظر و فکر کی کوتاہی تصور کیا جائے اور مرتب کو مطلع فرما کر ممنون فرمایا جائے۔ فقط

(مرتب)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العلمین والصلوة والسلام علی رسولہ  
محمد خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔  
واضح رہے کہ ایمان کا ایک رکن اعظم انبیاء علیہم السلام کو ماننا اور ان پر ایمان  
لانا بھی ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا انکار کفر ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام میں سے  
کسی ایک فرد کا یا اجمالاً ان کی جنس کا انکار بھی کفر ہے۔

### مدار نجات

معلوم ہونا چاہیے کہ مدار نجات ایمان باللہ اور ایمان بالمغیبات ہے اور  
مغیبات سے مراد قیامت، فرشتے، جنت و دوزخ وغیرہ ہیں، انبیاء علیہم السلام انہی  
امور کی تعلیم و تشریح کیلئے تشریف لائے ہیں۔  
ایمان بالرسول ﷺ اصل اصول ہے

اور چونکہ ان غائب اور غیر محسوس مغیبات پر انبیاء علیہم السلام کے  
واسطہ کے بغیر ایمان میسر نہیں آسکتا اس لیے ان پر ایمان لانے سے بھی ہمیشہ انبیاء  
علیہم السلام پر ایمان لانا لازم ہوتا ہے، اسی طرح ایمان بالرسول ﷺ جو درحقیقت  
ایمان باللہ کا ایک ذریعہ تھا اب ایک حیثیت میں رکن رکین اور اصل الاصول بن  
جاتا ہے، اسی لیے یہ مسئلہ کسی اختلاف کے بغیر ہمیشہ مسئلہ چلا آ رہا ہے کہ ایمان کیلئے  
خدا تعالیٰ کی توحید اور رسول ﷺ کی رسالت کی تصدیق دونوں ہی اجزاء لایتنک ہیں،  
اس وقت ہماری غرض یہ ہے کہ شرائع سماویہ میں رسولوں پر ایمان لانا بھی ہمیشہ  
توحید الہی کے برابر کا جزو سمجھا گیا ہے اور آسمانی مذہب میں سے کسی ایک مذہب میں

بھی صرف خدا تعالیٰ کی توحید کو مدار نجات نہیں بچھا گیا۔  
 کسی رسول کی دعوت پہنچ جانے کے بعد کوئی شخص رسول پر ایمان لانے  
 سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا، قرآن و حدیث کے قوتر سے یہ ثابت ہے کہ رسولوں کی  
 تصدیق نجات ابدی کیلئے ایسی ہی ضروری ہے جیسی کہ خدا تعالیٰ کی توحید، اس میں کسی  
 تفریق کی گنجائش نہیں ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ کا ارشاد

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی معرفت عقلاً تمام مخلوق پر  
 واجب ہے اور انبیاء علیہم السلام کے بغیر اس معرفت کا حاصل ہونا ناممکن ہے اس  
 لیے نبوت و رسالت کا انکار درحقیقت حق تعالیٰ کی ذات پاک کا ہی انکار ہے، حق  
 تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ اِذْ قَالُوا مَا اَنْزَلَ اللَّهُ عَلٰى بَشَرٍ  
 مِنْ شَيْءٍ انہوں نے حق تعالیٰ کے کمالات کا ٹھیک ٹھاک اندازہ ہی نہیں لگایا جبکہ  
 یہ کہا کہ اس نے کسی بشر پر کتاب ہی نازل نہیں فرمائی۔

یعنی جب یہ لوگ رسولوں پر شریعت کے نزول کا انکار کرتے ہیں تو گویا  
 خدا تعالیٰ کی جانب سے رسالتی کا انکار کرتے ہیں اور رسالت کا انکار اس بات کی  
 دلیل ہے کہ ان کو خدا تعالیٰ کی صفات اور اس کے کمالات کی برتری کا کوئی اندازہ  
 ہی نہیں ہو سکا۔

اقوام عالم پر نظر

آج دنیا کی اقوام پر نظر ڈال لیجئے آپ کو ثابت ہو جائے گا کہ جو قوم نبوت  
 و رسالت کی منکر ہوئی ہے اس کو پھر خدا کی معرفت میں کوئی حصہ نصیب نہیں ہوا بلکہ

جو قوم رسولوں کی معرفت میں جتنی پیچھے رہ گئی ہے وہ اتنی ہی خدا تعالیٰ کی معرفت میں بھی پیچھے رہ گئی۔

آج نصاریٰ جو عتلاء زمانہ کہلاتے ہیں جب انہوں نے اپنے رسول کے صحیح مقام کو پہچاننے میں ٹھوکر کھائی تو پھر دیکھ لیجیے کہ خدا تعالیٰ کی معرفت میں ہی ان کا حصہ کتنا رہا۔ یہاں تک کہ توحید فی التکلیف کا بنیادی مسئلہ بھی ان کے نزدیک تقدیر کی طرح مذہب کا ایک راز بن کر رہ گیا۔

اس کے باقاعدہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتہیۃ ہے کہ جب وہ اپنے رسول ﷺ کا صحیح مقام پہچاننے میں پیش گام رہی تو اس کو اپنے رب کی معرفت کا جام بھی سب سے بھر پور نصیب ہوا، اس لیے یہ امت تمام امتوں پر فوقیت لے گئی ہے۔

آیت بالا کی روشنی میں یہ فیصلہ آسانی سے کیا جاسکتا ہے کہ جو لوگ آنحضرت ﷺ کی رسالت کا اعتراف نہیں کرتے اور صرف توحید کے قائل ہیں کیا ان کو صحیح معنی میں توحید اور ایمان بالغیب نصیب ہو سکتا ہے۔ اسی لیے امام موصوف فرماتے ہیں من انکر النبوۃ والرسالة فہو فی الحقیقة ما عرف اللہ عزوجل (تفسیر ابن کثیر ص ۸۸ ج ۴) جس نے نبوت و رسالت کا انکار کیا درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی معرفت ہی سے بے نصیب ہے۔

### ضروریات دین

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرشتوں اور اسکی کتابوں اور قیامت کے انکار کو بھی یہی حیثیت حاصل ہے، یعنی توحید کی طرح ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کا دین محمدی میں ہونا اتنا روشن ہو جائے کہ محتاج دلیل نہ رہے ان سب کا ماننا ایمان کے لیے ضروری ہے، اسی کو ضروریات دین کہا جاتا ہے مثلاً فرائض، خمسہ، آنحضرت ﷺ کا خاتم النبیین ہونا، عذاب قبر، قرآن کریم وغیرہ یہ سب وہ چیزیں ہیں جس کے ثبوت میں دلائل کی حاجت نہیں بلکہ ان چیزوں کا دین اسلام میں داخل ہونا عام طور پر سب کو معلوم ہے، اس لیے ان میں سے کسی ایک کا انکار اسی طرح کفر ہو گا جیسا کہ توحید و رسالت کا انکار کفر ہے۔

جس طرح ایمان میں اللہ اور رسول کے درمیان فرق کی گنجائش نہیں، ایک کا منکر دوسرے کا منکر بجا جاتا ہے اسی طرح رسولوں میں بھی باہمی یہی نسبت موجود ہے یعنی کسی ایک رسول کا انکار کرنا دوسرے کا انکار اور کفر ہے۔ اب آیات ذیل کو پڑھیے:

(۱) انما المؤمنون الذين آمنوا بالله ورسوله مومن دراصل وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔

(۲) ان الذين يكفرون بالله ورسوله ويريدون ان يفرقوا بين الله ورسوله ويقولون نؤمن ببعض ونكفر ببعض ويريدون ان يتخذوا بين ذلك سبيلا اولئك هم الكافرون حقا جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے منکر ہونے اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم کس پر ایمان لائیں گے اور کس کا انکار کریں گے انہی یہی لوگ اصل کافر ہیں۔

(۳) ومن يكفر بالله وملائكته وكتبه ورسوله واليوم الآخر

فقد ضل ضللاً لا یعیدا جو انکار کرے اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور رسولوں اور قیامت کے دن کا وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔

پہلی آیت میں اللہ اور اس کے رسولوں پر بلا تفریق ایمان لانے کا حکم ہے، دوسری آیت میں ان کے درمیان فرق کرنے والے کو اصل کافر کہا گیا ہے اور تیسری آیت میں ایمان میں فرشتوں اور یوم آخرت (قیامت) کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

### ایمان کے شرعی معنی

ایمان کا لفظ "امن" سے مشتق ہے اس لیے امانت و اعتماد کے معنی اس میں ہمیشہ ملحوظ رہتے ہیں اور ان خبروں کی تصدیق کو ایمان کہتے ہیں جو چشم دید نہ ہوں بلکہ عدم موجودگی کی ہوں اور ان کی تصدیق صرف خبر کی امانت و دیانت اور اس کے اعتماد و وثوق کی بنا پر کی گئی ہو۔

لفظ ایمان لغت میں گو مطلقاً تصدیق کے معنی میں آتا ہے لیکن اصطلاح شریعت میں اس کا عام استعمال صرف عالم غیب کی تصدیق میں آیا ہے۔ اور جب شریعت کی اصطلاح میں کوئی لفظ کسی خاص معنی کے لیے مخصوص ہو جائے تو اب قرآن و حدیث میں اس کے لغوی یا عام معنی مراد لینا صحیح نہیں بلکہ جو معنی شرعی اصطلاح قرار پا چکے ہیں قرآن و حدیث میں وہی معنی مراد لیے جائیں گے۔

### قرآن سے تائید

غائبات اور ایمان کی اسی خصوصیت کو سورۃ بقرہ میں یؤمنون بالغیب کے لفظ سے اذہا فرمایا گیا ہے، اس جگہ غیب کا لفظ صرف بطور بیان واقع نہیں ہے بلکہ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے ہے کہ ایمان کا تعلق صرف غائبات کے ساتھ



ہے، مشاہدات کے ساتھ ایمان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

### لفظ غیب کے معنی

امام راغب لفظ غیب کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وَالْغَيْبُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى يَوْمَنُونَ بِالْغَيْبِ مَا لَا يَقَعُ تَحْتَ الْحَوَاسِ وَلَا يَقْتَضِيهِ بَدَاهَةُ الْعَقْلِ وَإِنَّمَا يَعْلَمُ بِخَبَرِ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ غَيْبٌ كَالْفَرْقِ مَخْلُفٌ مَعْنَى مَسْتَعْلٍ ہوتا ہے آیت یَوْمَنُونَ بِالْغَيْبِ میں غیب کا اطلاق ان چیزوں پر کیا گیا ہے جو انسانی حواس کے ادراک سے بالاتر ہیں اور عقل بھی بدیہی طور پر ان کا تقاضہ نہیں کرتی، وہ صرف انبیاء علیہم السلام کے بتانے سے معلوم ہوتی ہیں۔

عالم غیب کے غیر محسوس ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ صرف ہمارے ضعیف حواس کی دسترس سے باہر ہوتا ہے نہ یہ کہ تحت الحواس آنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس لیے انبیاء علیہم السلام کی فہم و فراست اور ان کی صداقت و امانت کے اعتماد پر عالم غیب پر ایمان لے آنا عین تقاضائے عقل سے اور یہی تصدیق و اذعان ایمان کی ساری قیمت ہے، اگر غیب پر یہ اذعان و اطمینان حاصل نہ ہو تو ایمان بے قیمت ہے۔

### ایمان اور تصدیق میں فرق

لفظ تصدیق ہر خبر میں خواہ مخبر کی امانت داری کی ضرورت ہو یا نہ ہو یکساں طور پر مستعمل ہو سکتا ہے اور ایمان کے معنی بھی گو تصدیق کے ہیں مگر اس کا استعمال صرف ان خبروں تک محدود رہے گا جن کی تصدیق صرف مخبر کی امانت و دیانت اور اس کے اعتماد و وثوق کی بنا پر کی جاتی ہے، اس لیے اگر ایک شخص طلوع آفتاب یا فوقیت آسمان

کی خبر دیتا ہے تو اس کے جواب میں ”آمنت“ نہیں کہہ سکتے، یادو شخص اگر ایک چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں تو لفظ ایک دوسرے کی تصدیق کے لیے صدق احدھا صاحبہ کہا جاتا ہے، آمن لہ نہیں کہا جاسکتا، اس کی وجہ یہی ہے کہ یہاں تصدیق کے لیے دوسرے پر اعتماد و وثوق کی کیا ضرورت ہے، یہ خود اپنے مشاہدہ کی خبر ہے اس لیے یہاں ایمان کا لفظ استعمال کرنا صحیح نہیں ہے۔

### ماواقفت صاحبوں کی غلطی

ماواقفت صاحبان ابھی تک یہ نہیں سمجھے کہ ایمان کا تعلق کس چیز سے ہے، وہ چاہتے ہیں کہ دین کے جملہ غائبات کو پہلے اس طرح مقبول بنا دیا جائے کہ پھر ان کی تصدیق کے لیے اعتماد رسول کا واسطہ ہی نہ رہے، اور یہ نہیں جانتے کہ دلائل کی بحث سے گذر کر صرف رسول کے اعتماد پر اس کے اقوال و افعال تسلیم کر لینے کا نام ہی تو ایمان ہے۔

### ایمان کی روح

ایمان کی تمام روح صفت یقین ہے اور یقین اسی وقت قابل تعریف ہو سکتا ہے جبکہ عالم غیب پر ہو، ورنہ اپنے مشاہدہ پر یقین کرنا بدیہی بات ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلِيَعْلَمِ اللَّهُ مَن يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ يَعْنِي دِيكُنَا تَوْبَهُ ہے کہ خدا اور رسول کے دین کی تائید میں دیکھے کون کون کرتا ہے۔

ملائکہ، انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان خدا کے مقتدر فرشتے عالم غیب کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کا ایمان تو ایمان بالغیب ہی نہیں، انبیاء علیہم السلام کا ایمان اگرچہ ایمان بالغیب ہے مگر ان کی مشکل



و مرنی خود قدرت ہوتی ہے، ان کا تعلق عالم غیب سے اگرچہ پس پردہ ہو مگر پھر بھی براہ راست ہوتا ہے اور صحابہ کی آنکھوں کے سامنے اگرچہ بلا واسطہ عالم غیب نہ ہو مگر عالم غیب کا بلا واسطہ ترجمان یعنی رسول اللہ کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے ان کو دیکھ کر وہ عالم غیب کا یقین اپنے عینی مشاہدات سے بڑھ کر حاصل کر سکتے ہیں۔

### ایک سطحی شبہ کا ازالہ

رسول کی ذات گرامی قطعی طور پر عالم محسوسات میں داخل ہوتی ہے اور اس کا عالم غیب میں شمار نہیں ہوتا بلکہ وہ دیکھنے والوں کے سامنے محسوس و مشاہدہ موجود ہوتے ہیں اس لیے سطحی طور پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس صورت میں رسولوں پر ایمان لانا، ایمان بالمغیبات میں کیسے شمار کیا جائے گا، کیونکہ رسول کی ذات اگرچہ مشاہدہ و محسوس ہوتی ہے مگر اس کی رسالت ہر حال میں عالم غیب کا ایک آبدار گوہر ہوتا ہے اور اسی پر ایمان لانے کا انسان مکلف ہوتا ہے، اس حیثیت سے رسول پر ایمان، ایمان بالمغیبات میں شمار کیا جاتا ہے اور اس کے دیکھنے والے بھی گویا بن دیکھے ہی رسول پر ایمان لانے ہوئے ہیں، البتہ رسول پر ایمان لانے میں اس کے دیکھنے والوں کے لیے رسول کی شخصیت بلاشبہ بڑی حد تک معین و مددگار ہوتی ہے، وہ اس کا مشاہدہ کر کے ایمان کے قبول کرنے میں اس سے براہ راست مدد حاصل کرتے ہیں۔

چونکہ رسول کی وفات کے بعد یہ مساندت جو رسول کی ذات گرامی کے مشاہدہ سے حاصل ہوتی ہے باقی نہیں رہتی اور صرف عالم غیب کا حصہ یعنی اس کی رسالت باقی رہ جاتی ہے اس لیے اس پر ایمان لانا ہر حیثیت سے بن دیکھے ہو کر جزئی فضیلت کا موجب بن جاتا ہے، اسی لیے حدیث میں ارشاد ہے ”میری امت کی

مثال بارش کی سی ہے جس کے متعلق یہ کہنا مشکل ہوتا ہے کہ اس کا پہلا حصہ بہتر تھا یا پچھلا حصہ۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد اب رہے امت کے وہ لوگ جن کو نہ عالم غیب کا مشاہدہ حاصل ہوگا اور نہ ان کی آنکھوں کے سامنے رسول کی بصیرت افروز ہستی ہی ہوگی، ایک خدا تعالیٰ کی مقدس کتاب ہوگی اور اس کے رسول کے کچھ محفوظ اقوال و آثار ہوں گے وہ انہی کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گے، ان کا ایمان اگرچہ نامساعدت اسباب کی وجہ سے اس درجہ پر نہ ہو جس درجہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان ہے لیکن یہ ایمان بھی قابل تعجب ضرور ہے، فضیلت کئی گو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہے لیکن ایک جہت سے فضیلت جزئیہ کے حق دار وہی رہیں گے اور اس پیرایہ سے رحمہ للعالمین کی ساری امت قابل غبطہ بن جائے گی، کوئی حصہ کسی جہت سے کوئی حصہ کسی جہت سے۔

رسول و آثار اور بروز

اسلام میں رسول نہ خدا تعالیٰ کا اوتار ہو سکتا ہے کہ خدائی اس میں حلول کر سکے اور نہ خود خدا ہو سکتا ہے کہ ہیکل انسانی میں جلوہ نما ہو، رسول کے متعلق خدائی کا تصور عیسائیت کا راستہ ہے اور خدا تعالیٰ کے متعلق یہ عقیدہ کہ وہ رسول کی صورت میں بروز کرتا ہے براہمہ کا عقیدہ ہے، اسلام کی تعلیم ان دونوں سے علیحدہ ہے، بلکہ یہ دونوں تصور اسلام میں بے صداق، ناممکن اور محال ہیں۔

عقلی دلیل

عام حیوانات کو دیکھے قدرت نے ان کو بھی ہر نوع کی جداجدا خصوصیات اور

صور تیں دی ہیں اور اس طرح ہر نوع کے درمیان ایک ایسا نقطہ فاصلہ کھینچ دیا ہے کہ ہزار ترقی کرنے کے بعد بھی ایک نوع دوسری نوع کی سرحد میں قدم نہیں رکھ سکتی، بلکہ ہر نوع اپنی انہی قدرتی حدود کے درمیان گردش کرتی رہتی ہے اور اسی حد بندی سے اس عالم کا نظام قائم رہتا ہے، جب مخلوقات کے دائرہ کی یہ سرحدیں اتنی مضبوط ہیں تو خالق کے متعلق یہ گمان کرنا کہ ”کوئی انسان اپنے دائرہ سے ترقی کر کے اس کی سرحد میں قدم رکھ سکتا ہے“ کس قدر سخیانہ اور غلط خیال ہے۔

### انسانیت رسول کا کمال ہے

اس لیے رسول کے بارہ میں اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ رسول ایک انسان کامل ہوتا ہے اور اپنی تمام عظمتوں اور مراتب قرب کے باوجود انوہیت کے تصور سے یکسر خالی ہوتا ہے، رسول خدا تعالیٰ کا فرستادہ اور پیغمبر اور اس کی جانب سے منصب اصلاح پر کھڑا کیا گیا ہے، اس لیے اس کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک انسان ہو کیونکہ اصلاح کیلئے صرف علم کافی نہیں احساس کی بھی ضرورت ہے، جو علم نہیں کھا سکتا وہ ایک غم زدہ کی پوری تسلی بھی نہیں کر سکتا، جو بھوک سے آزاد ہے وہ ایک بھوکے کے ساتھ صحیح دوسوزی کرنا بھی نہیں جانتا اور جو فطرت انسانی کی کمزوریوں سے آشنا نہیں وہ ان کمزوریوں پر اغماض اور چشم پوشی بھی نہیں کر سکتا۔

علاوہ اس کے کہ رسول اگر انسان نہ ہوں تو وہ انسانوں کی پوری اصلاح نہیں کر سکتے اور اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں ان کیلئے مشکلات پیدا ہو جاتیں نسل انسانی پر یہ ایک بدنامہ داغ بھی ہوتا کہ اشرف المخلوقات انسان کا مصلح اور مربی کسی اور نوع میں پیدا کیا جائے، اس لیے خود رسول اور انسان کا شرف و کمال بھی یہی تھا کہ

رسول انسانیوں میں سے ایک انسان ہوتا۔

یاد رکھیے کہ آنحضرت ﷺ کی عظمت یہ نہیں کہ آپ کی بشریت ہی سے انکار کر دیا جائے بلکہ آپ کی عظمت اس میں ہے کہ آپ کی بشریت کی وجہ سے جنس بشری کی انضویت کا یقین پیدا کر لیا جائے۔

انبیاء علیہم السلام کی بشریت کا عقیدہ

یہی وہ عقیدہ تھا جو ابتداء میں اولاد آدم کو میا دی طور پر بتلایا گیا تھا، حق تعالیٰ

کارشادے یٰبٰنی آدَم اٰمٰیٰتِنٰکُمْ رَسُلٌ مِّنْکُمْ یَقْصُوْنَ عَلَیْکُمْ  
اٰیٰتِیْ فَمَنْ اَتٰتٰی وَاصْلَحْ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ اے اولاد  
آدم! اگر تمہارے پاس تمہیں میں سے بچے رسول آئیں جو تمہارے سامنے ہماری  
آیتیں پڑھ کر سنائیں تو جو تقویٰ کی راہ اختیار کرے اور نیک رہے تو ان پر نہ کوئی  
خوف و ہراس اور نہ کوئی غم۔

آیت بالا سے صاف واضح ہے کہ عالم کی ابتداء میں جن باتوں کی اولاد آدم کو بنیادی طور پر تعلیم دی گئی تھی ان میں ایک بعثت رسول، دوم رسولوں کے انسان ہونے کا عقیدہ تھا، بلکہ قرآن کریم نے باحجاب بعثت کے ساتھ رسولوں کے انسان ہونے کو ایک مستقل انعام قرار دیا ہے ارشاد ہے لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (انسان کے ہونے کے بعد ان کو انسانی رسول بھیج دیا جس نے ان کو سیدھے راستے پر لے گیا)۔ پھر اس انعام کیلئے سرزمین عرب کا انتخاب اور سب سے بڑھ کر اس رسول کا انسان ہونا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب بنی اسماعیل میں ایک نبی کیلئے دعا فرمائی تو انہوں نے بھی اس

اہم نقطہ کو فراموش نہیں کیا اور اپنی دعا میں فرمایا ربنا وابعث غیہم رسولاً  
منہم پھر جب اس دعا محتاج کے ظہور کا وقت آیا تو دعاء خلیل علیہ السلام میں لفظ  
منہم کی احتجاج کو مزید تاکید کے ساتھ لفظ من انفسہم سے ذکر کیا گیا یعنی رسول کو  
انسانوں میں تو بھیجی جائے، تھا مگر ان میں بھی جس سے انہیں قریب سے قریب تر علاقہ  
ہو سکتا تھا ان میں بھیجی جائے، انسانوں میں عرب، عربوں میں قریشی اور قریش میں ہاشمی  
بنایا مگر ان چند در چند خصوصیات کے باوجود پھر وہ ایک انسان ہی رہا اس تمام سلسلہ میں  
جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر آنحضرت ﷺ پر ختم ہو جاتا ہے کوئی بھی  
رسول ایسا نہیں تھا جو انسان نہ ہوتا۔

### قرآنی مسئلہ

ثابت ہوا کہ امیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کا مسئلہ صرف  
حدیثی مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ مسئلہ قرآنی بھی ہے، قرآن کریم نے امیاء علیہم الصلوٰۃ  
والسلام کی بشریت کے مسئلہ کو باجائے مسلمات اور بدیہیات کی طرح پیش کیا ہے۔

### قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ

قاضی عیاض مالکی نے جو تعظیم رسول ﷺ میں بڑا بلند مذاق رکھتے ہیں اپنی  
تصنیف "الاشقاء" میں مسئلہ عصمت پر بحث کرتے ہوئے آخر میں بڑی وضاحت اور  
تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ رسول یقیناً معصوم ہوتے ہیں مگر بشریت سے معصوم  
نہیں ہوتے، وہ بشر کی طرح پیدا ہوتے ہیں اور انسانی زندگی کے جملہ ادوار طفلی،  
شباب اور شجوخیت سب سے عبور کرتے ہوئے آخر میں اسی طرح زیر زمین مدفون  
ہو جاتے ہیں جیسا کہ جنس بشر ہمیشہ سے مدفون ہوتی چلی آتی ہے۔

## عقلی مسئلہ

جب تمام مخلوقات میں بشری سب سے افضل اور سب سے اشرف مخلوق ہے تو پھر انبیاء علیہم السلام اور رسولوں کی بشریت کا انکار کر کے آخر ان کو اور کس مخلوق میں شامل کیا جائے گا؟ یہ تو ظاہر ہے کہ خالق کی جانب میں تو کسی امر میں بھی شرکت کی گنجائش نہیں نہ اس کی ذات میں نہ اس کی صفات میں، پھر خالق سے ہٹ کر مخلوق کا ہی دائرہ ہے اس میں سب سے بڑھ کر افضل و اشرف یہی نوع انسانی ہے، اس کو رب العزت نے اپنی خلافت کے اعزاز کیلئے منتخب فرمایا ہے، اگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اس اشرف نوع سے خارج کر دیے جائیں تو پھر اور کونسی نوع میں ان کو داخل کیا جائے گا؟

## بشریت کا مطلب

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بشر ضرور ہوتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب سمجھنا بھی صحیح نہیں ہے کہ وہ بالکل ایسے ہی بشر ہوتے ہیں جیسے کہ عام بشر ہوا کرتے ہیں، اس لیے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بشر ہوتے ہوئے عام بشر سے اتنے ممتاز بھی ہوتے ہیں کہ اگر بیک وقت دونوں پر نظر ڈالی جائے تو یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا وہ علیحدہ علیحدہ دو صنفوں کے افراد ہیں، مثلاً شاعر نے ایک ہی صنف میں اشتراک کے باوجود ان کے افراد میں امتیاز کی مقبولیت کو کیا خوب انداز سے ادا کیا ہے،

وان اتفق الانام وانت منهم

فان المسک بعض دم الغزال

اے ممدوح! اگر تو مخلوق میں شامل ہو کر پھر ان سب پر فوقیت رکھتا ہے تو اس



میں تعجب کی بات کیا ہے، آخر مشک بھی تو اسی ہرن کے خون کا ایک حصہ ہوتا ہے، لیکن پھر ان دونوں میں کیا نسبت وہ مستغن اور یہ معطر، وہ ناپاک اور یہ پاک۔

پس اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی نفس بشریت میں تو سب انسانوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں، لیکن پھر ان سے مشک کی طرح ممتاز بھی ہوتے ہیں، صرف انہی سیرت میں ہی نہیں بلکہ اپنے جسم و جوارح میں بھی اور ان کے خواص میں بھی دوسرے انسانوں سے وہ ممتاز ہوتے ہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ کا ارشاد

امام رازی رحمہ اللہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام جس طرح عام بشر سے انہی روحانی قوتوں میں ممتاز ہوتے ہیں اسی طرح جہانی طاقتوں قوت سامعہ، باصرہ، شامہ، اور ذائقہ میں بھی ممتاز ہوتے ہیں (کبیر ج ۴ ص ۴۵۵)

عالم کے اندر قدرتی تفاوت و تفاضل

عالم میں قدرت نے مختلف انواع اور انواع میں مختلف اصناف پھر اصناف میں مختلف استعداد کے افراد پیدا فرمائے ہیں، دیکھیے نباتات، حیوانات اور انسان یہ مختلف انواع ہیں اور ہر مائل جانتا ہے کہ ان انواع میں کتنا فرق ہے، جمادات بالکل بے حس و شعور نظر آتے ہیں، نباتات یہاں کچھ ان سے پیش کام ہیں اور حیوانات کچھ کچھ ادراک و علم سے بھی فیض یاب معلوم ہوتے ہیں، یہاں تک کہ جب آخری نوع انسان کا نمبر آتا ہے تو اس کے شعور و حس، علم و ادراک کے سامنے دوسری انواع ایک ذرہ بے مقدار نظر آتی ہیں، مگر کیا اس کی برتری کی وجہ سے دوسری انواع کے ساتھ اس کی مخلوقیت میں شرکت سے کوئی شخص انکار کر سکتا ہے؟ اسی طرح اگر

اسناف پر غور کیا جائے تو معمولی پتھر بھی ایک پتھر ہے اور لعل و جواہرات بھی پتھر ہی ہیں، گھاس بھی ایک نبات ہے اور گیہوں بھی، اسی طرح گدھا بھی ایک جانور ہے اور گھوڑا بھی مگر کیا اس اشتراک کی وجہ سے یہ کہنا درست ہوگا کہ یہ سب اسناف برابر ہیں ان میں باہم کوئی تفاضل نہیں۔

اسی طرح اب اگر ہر صنف کے افراد پر غور کیا جائے تو ہر صنف کے افراد میں بھی فضل و قیمت کا اتنا بڑا تفاوت نظر آئے گا کہ اس کا ضبط و احصاء مشکل ہے، لعل و جواہر کی قیمتوں کے تفاوت پر غور کیا جائے، اسی طرح حیوانات میں گھوڑے کی صنف کے افراد کی قیمتوں پر غور کیا جائے تو فضیلت کے اتنے درجات نظر آئیں گے کہ صنفی اشتراک کے بعد بھی ان میں گویا کوئی اشتراک ہی نہیں۔

### نوع انسانی کے افراد میں تفاوت

اسی طرح نوع انسانی کا حال ہے بلکہ یہ نوع جتنی شریف تر ہے اس کے افراد میں تفاوت بھی اتنا ہی بے اندازہ ہے، کافر بھی انسان ہی کافر ہے اور مسلم بھی، پھر مقبولین کے افراد کو اگر بھلا ضبط کیا جائے تو قرآن کریم کے الفاظ میں وہ چار طائفہ ہیں، انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین، ان کے درمیان فضائل و کمالات میں بے اندازہ تفاوت ہے، پھر یہی حال ان میں سے ہر طائفہ کا ہے، اسی لیے کسی صنف یا نوع کے افراد میں ان کے باہم تفاضل کا انکار کرنا نہ تو یہ حقیقت پر مبنی ہے اور نہ ہی ان کے تفاضل کا اقرار کر کے ان کے صنفی یا نوعی اشتراک کا انکار کرنا یہ علم کی بات ہے، اب جس فریق نے انبیاء علیہم السلام کے امتیازات اور فضائل کا باب پڑھ کر ان کے بشر ہونے کا ہی انکار کر ڈالا وہ بھی تاریکی میں سے اور



جس نے ان کی بشریت کا اقرار کر کے ان کو ٹھیک عام انسانوں کی صف میں لاکھڑا کر دیا وہ بھی مقام رسالت سے بڑا بے بہرہ ہے۔

### انبیاء علیہم السلام کا صحیح مقام

انبیاء علیہم السلام کا صحیح اور ٹھیک مقام یہ ہے کہ وہ بشر بلکہ سید البشر ہوتے ہیں، لیکن بشر ہونے کے باوجود وہ عام بشر سے نہ صرف یہ کہ روحانی کمالات ہی میں ممتاز ہوتے ہیں بلکہ جہانی اوصاف اور کمالات میں بھی ان کو گونا گوں خصوصیات اور امتیازات حاصل ہوتے ہیں، اور عام انسانوں کے اجسام کی نسبت انبیاء علیہم السلام کے اجسام میں بھی بعض جہانی خواص عطا فرما کر عام انسانوں سے ان کو ممتاز کیا جاتا ہے۔

### حضور ﷺ کے بعض خواص

قالب انسانی آپ کو بھی ملا مگر وہ قالب جو منور ہے، پسینہ آپ کو بھی آیا مگر وہ پسینہ نہیں جو عام انسانوں کو آتا ہے اور دماغ کو مستغصن کر دیتا ہے بلکہ وہ پسینہ جو مشام جان کو معطر کر دے، سوتے آپ بھی تھے مگر وہ نیند نہیں جو دل کو غافل کر دے بلکہ عین نیند کی حالت میں بھی آپ کا قلب مبارک دوسرے تمام بیداروں سے زیادہ بیدار رہتا تھا یہاں تک کہ آپ ﷺ کا خواب وحی ہوتا ہے اور آپ کی نیند ناقض وضو نہیں ہوتی، دیکھتے آپ بھی تھے مگر عام انسانوں کی طرح صرف سامنے ہی کی چیزوں کو نہیں دیکھتے تھے بلکہ بعض اوقات پشت کی جانب سے بھی اسی طرح دیکھتے تھے جیسا کہ اپنے سامنے کی جانب سے، وفات کے بعد آپ کا جسم مبارک بھی دفن کیا گیا مگر آپ کے پورے کے پورے جسم کی ساخت کچھ ایسی امتیازی ہے کہ وہ زمین کے تخریبی اثرات سے بالکل محفوظ ہے۔

یوں تو ادویات کے ذریعہ سے اجسام کا بعد موت کے محفوظ رکھنا مصر کی عام صنعت تھی اور اسی صنعت کی بدولت آج عجائب گھروں میں ہزاروں سال کی لاشیں موجود نظر آتی ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کی جماعت چونکہ صنعت اجتناء و اعطفاء کے ماتحت ہوتی ہے اس لیے بغیر کسی صنعت اور کسب و کسب کے ہی ان اجسام کی ابتدائی نہاد ہی میں اس حفاظت کا امتیاز رکھ دیا گیا ہے۔

اب سوچیے کہ اگر انبیاء علیہم السلام کے جسم عنصری ہی میں کوئی امتیاز اور خصوصیت نہیں ہوتی تو جس غذا کے اثرات سے دوسرے جسموں کو متعفن پسینہ آتا ہے وہ ان کو کیوں نہیں آتا؟ اور ان کے حواس کے ادراک کا دائرہ عام انسانوں سے بالاتر کیوں ہوتا ہے؟ اور کیوں ان کی عینہ عام انسانوں کی ہی نہیں ہوتی؟ عام انسانوں میں غفلت کی عینہ صحت کی علامت ہو اور انبیاء علیہم السلام کے یہاں عینہ صحت کی علامت ہو، کیا اس سے یہ صاف ظاہر نہیں ہوتا کہ ان کے اجسام عنصریہ کی نہاد ہی کچھ عام اجسام سے نرالی ہوتی ہے۔

**ان کمالات کے باوجود بھی وہ بشر ہی ہیں**

مگر ان کمالات کے ہوتے ہوئے بھی انبیاء علیہم السلام کا قدم سر موہریت سے باہر گیا؟ ہرگز نہیں انبیاء علیہم السلام کے اجسام میں خواہ کتنی ہی خصوصیات ہوں مگر وہ پھر بھی جسم کی خصوصیات ہوں گی جو ان کے عام اجسام سے بالاتر ہونے کی دلیل تو بن سکتی ہیں مگر جو ذات عالی جسم و جہانیات سے بھی بالاتر ہے اور ان صفات و خصوصیات کی خالق ہے اور ان میں سے ہر صفت جس کے لیے نقص در نقص اور عیب در عیب ہے بھلا اس کے ساتھ کوئی ادنیٰ سا اشتراک کیسے پیدا کر سکتی ہیں؟ جو

لوگ آنحضرت ﷺ کی بشریت کے منکر ہیں درحقیقت نہ تو ان کو بشریت کے کمال سے آگاہی ہے نہ ہی خدائی صفات کا اندازہ ہے، صحیح بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے کمال بشریت کے اقرار سے خدائی توحید کو مکدر سمجھنا بھی غلطی ہے اور خدائی توحید کا کمال آپ کے کمال بشریت کے انکار میں ہی سمجھنا بھی غلط ہے۔

جو لوگ امیاء علیہم السلام کو خدائی عظمت دے کر ان کو خوش کرنا چاہتے ہیں وہ درحقیقت ان کی ناراضگی کو خرید رہے ہیں اور جو محروم القسمت امیاء علیہم السلام کا ادب بھی نہیں جانتے وہ دراصل اپنے خدا کا خد مول لے رہے ہیں۔

محمد از قومی خواہم خدا را

خدا یا از قومی خواہم محمد

### رسولوں کا تعارف لفظ رسول سے

رسولوں کے صحیح مقام کے سمجھنے کے لیے خود لفظ رسول سے زیادہ صحیح اور آسان کوئی اور لفظ نہیں ہے، اس لفظ سے محبت و عظمت کے وہ تمام تقاضے بھی پورے ہو جاتے ہیں جو ایک کامل سے کامل انسان کے لیے فطرت انسانی میں موجزن ہوتے ہیں اور عہد و معبود کی وہ ساری حدود بھی محفوظ رہتی ہیں جو کفر و ایمان کے درمیان خط فاصل ہو سکتی ہیں، اسی لیے خدا تعالیٰ کے سب رسولوں نے اپنا تعارف اسی لفظ "رسول" سے پیش کیا ہے اور آخر میں قرآن کریم نے سب سے افضل اور سب سے برتر رسول کا تعارف بھی جس لفظ میں پیش کیا وہ بھی "رسول" ہے، ارشاد ہے محمد رسول اللہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں ما محمد الا رسول محمد (ﷺ) پیغمبر ہونے کے سوا الوہیت کا شائبہ نہیں رکھتے۔

معلوم ہوگا کہ یہ کلمہ ایسا پر عظمت کلمہ ہے کہ نبی الانبیاء کے تعارف کے لیے بھی اس سے زیادہ موزوں کوئی اور کلمہ نہیں ہے۔  
الغرض رسول کے لیے جو جامع سے جامع لفظ اختیار کیا تھا وہ خود لفظ رسول تھا اور اسی لیے اذانوں میں، خطبوں میں اور نماز میں جس لفظ کا بار بار اعلان کیا جاتا ہے وہ یہی لفظ رسول ہے۔

### وحدتِ ملی

رسول کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ وحدتِ ملی کا ایک مستحکم مرکز ہوتا ہے، اس لئے اس کی ذات ایمان و کفر کا محور ہوتی ہے یعنی اس سے وابستگی ایمان اور اس سے علیحدگی کفر کے نام سے موسوم ہوتی ہے، ہزاروں اختلافات رسول کی ذات سے وابستگی کے بعد وحدت و اخوت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور بہت سی جماعتیں رسول کے دامن سے علیحدہ ہو کر صفت وحدت سے خالی ہو جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں واذکروا اذ کنتم اعداء قالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا اور دوسری صورت کو ان الفاظ میں ارشاد فرمایا تحسبہم جمیعا وقلوبہم شئی آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے قبل عرب کے اختلافات کا تصور کیجئے اور نقطہ رسالت پر جمع ہونے کے بعد ان کی شان وحدت کو ملاحظہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ ہزاروں افراد یا تو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے یا فرد واحد کی طرح ایسے ایک جان ہو چکے تھے کہ مشرقی مسلمان کی تکلیف سے مغربی مسلمان کو وہی تکلیف محسوس ہوتی تھی جو ایک انسان میں ایک عضو کی تکلیف سے تمام اعضاء کو محسوس ہوتی ہے، وہ ابھی یا تو اینٹوں کے ڈھیر کی طرح میدان میں

بکھرے پڑے ہوئے تھے یا ایک ہی ساعت کے بعد ایک منظم تعمیر کی شکل میں منظم و مرتب تھے جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے مربوط اور باعث استحکام تھی۔ جس طرح دیوار کی اینٹیں باہم بھی ایک دوسرے کیلئے باعث استحکام ہوتی ہیں اور چھت کا بوجھ بنانے میں بھی برابر کی شریک رہتی ہیں مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ وہ باہمی اور قومی بوجھ کو اسی طرح تقسیم کر لیا کریں، اگر وہ ایسا کر لیں تو ان کا منتشر شیرازہ دنیا کے سامنے ایک مضبوط دیوار کی طرح بن سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان وحدت واجتماع کی دعوت دیتا ہے اور کفر تحزب و تشقت کی، اسی لئے قرآن کریم نے جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور کفر کا نقشہ کھینچا تو اس کا جو پہلو سب سے زیادہ نمایاں فرمایا وہ ان کی باہمی عداوت و تحزب تھا، پھر اسلام کے بعد جس نعمت کا سب سے زیادہ احسان بتایا وہ ان کی باہمی وحدت اور محبت و اخوت تھی، ایسی وحدت و اخوت کہ اگرچہ ان کے قلوبوں کے مابین مشرق و مغرب کا فاصلہ بھی ہوتا مگر پھر بھی وہ ایک دوسرے کی تکلیف کے احساس میں اتنے قریب ہوتے کہ مشرق کے ایک مسلمان کے پیروے کے کائنات کی چمک مغرب کا رہنے والا مسلمان اپنے دل میں محسوس کرتا، ان کا یہ رشتہ محبت و اخوت صرف مبالغہ اور محض ایک رنگ آمیزی نہیں بلکہ ان کے احساسات کی صحیح ترجمانی ہے، ارشاد ہے واذکروا اذ کنتم اعداء فاللف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا یاد کرو تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان ایسی محبت پیدا کر دی کہ محض اس کی مہربانی کی بدولت تم ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔

یاد رکھئے کہ آپ کا ایمان جتنا کامل اور مستحکم ہوتا چلا جائے گا اتنا ہی آپ کا اتحاد اور قومی تعمیر بھی مستحکم ہوتی چلی جائے گی اور جتنا اس میں نقصان پیدا ہوتا رہے گا اسی قدر آپ کے اتحاد اور قومی تعمیر میں بھی ضعف پیدا ہوتا رہے گا۔ تعجب یہ کہ وحدت و افتراق کے جو بنیادی اسباب ہیں کم از کم مسلمان ان سے کیونکر غافل ہیں، وہ جس مجمع میں اتحاد و اخوت کی دعوت دیتے ہیں اس میں اصل رشتہ ایانی پر غریب بھی لگاتے جاتے ہیں۔

### دنیا کی تمام وحدتیں ملی وحدت کے سامنے ہیچ ہیں

وحدت قومی، وحدت ملکی، وحدت قبیلہ، وحدت نسب اور اسکے سوا جتنی وحدتیں پیدا ہو سکتی ہیں وہ سب اسی حقیقی وحدت ملی کے سامنے ہیچ اور لاشے ہیں، جب کبھی اس وحدت حقیقیہ کی دوسری وحدتوں سے ٹکرا ہوئی تو دوسری تمام وحدتیں پاش پاش ہو کر مٹ گئیں اور صرف وہی ملت کی ایک مرکزی وحدت باقی رہ گئی۔

### رسول ریاضت سے نہیں مٹتے بلکہ وہ منتخب شدہ ہوتے ہیں

جس طرح حکومت کا کوئی عہدہ اور منصب بڑی سے بڑی ڈگریاں حاصل کر کے بھی نہیں مل جاتا اور جب تک حکومت کسی شخص کا خود انتخاب کر کے اس کو کوئی عہدہ اور منصب عطا نہ کر دے اس وقت تک وہ اس عہدہ و منصب پر فائز نہیں ہو سکتا اسی طرح رسالت بھی چونکہ ایک منصب اور عہدہ ہے اس لئے یہ بھی کسی شخص کی عبادت و ریاضت سے ہی حاصل نہیں ہو جاتا اور نہ کسب و اکتساب سے اس منصب پر فائز ہوا جاسکتا ہے، بلکہ یہ دست قدرت کا براہ راست انتخاب ہوتا ہے جسے چاہے اس منصب کے لئے خدا تعالیٰ انتخاب فرما کر منصب رسالت پر مامور فرما دیتے ہیں۔



جس قدر ”رسول“ دنیا میں آئے آپ سب کی سیرت کا تفصیلی مطالعہ کر جائیے، ان کی زندگی کا ورق و ورق ٹوٹ جائیے مگر قرآن و حدیث سے کہیں ثابت نہ ہوگا کہ کسی شخص کو منصب رسالت اس کی ریاضت و عبادت کے صلہ میں عطا کیا گیا ہے بلکہ جس کسی کو بھی خدا تعالیٰ نے یہ منصب عطا فرمایا ہے اس کو براہ راست اس منصب سے نوازا دیا ہے، اس لئے کہ یہ منصب براہ راست خدا تعالیٰ کے اعطاء اور اجتباء پر موقوف ہے، کسی کی ریاضت و عبادت اور کسب و اکتساب سے یہ منصب حاصل نہیں ہو سکتا۔ اللہ یصطفیٰ من الملائکۃ رسلاً و من الناس اللہ تعالیٰ فرشتوں میں اور انسانوں میں رسول اپنی ہی پسند سے بناتا ہے اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ یہ بات خدا ہی خوب جانتا ہے کہ اسے اپنا رسول کسے بنانا ہے۔

### رسالت وہی ہے کسی نہیں ہے

ان آیات سے معلوم ہوا کہ رسالت صرف وہی ہے کسی نہیں ہے، یعنی عبادت و ریاضات سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ نے جس میں چاہا نبوت و رسالت کی اہلیت رکھ دی۔ دوسری آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ منصب رسالت و نبوت جن خصوصیات کی بنا پر مرحمت ہوتا ہے ان کا علم بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کو نہیں ہوتا اور ان کا انتخاب کوئی اور نہیں کر سکتا۔

غرضیکہ رسالت کا معاملہ رزق کی طرح صرف خدائی تقسیم پر موقوف ہے، اس لئے جب کفار مکہ نے آنحضرت ﷺ کی رسالت میں اپنی رائے زنی شروع کی تو نہایت ”تحقیق“ کے لہجہ میں یہ کہہ کر ان کو خاموش کر دیا گیا اہم یقسمون رحمۃ

ربک نحن قسمنا بينهم معيشتهم یعنی نبوت و رسالت رزق کی طرح  
ربوبیت کا حق ہے، رزق کی تقسیم اس نے کسی کے حوالہ نہیں کی اپنے ذمہ رکھی  
ہے تو نبوت کی تقسیم کو بھی ایسا ہی سمجھنا چاہئے۔

یہ سخت غلط فہمی ہے کہ نبوت کو ان کمالات میں سے سمجھ لیا جائے جیسا پہلی  
امتوں کو کسی عبادت و ریاضت کے صلہ میں یا انعام کے طور پر تقسیم کئے گئے ہیں،  
یہ صرف تشریفی غرورتوں کی تکمیل کا ایک منصب ہے جس میں قدرت اس کی  
صلاحیت پیدا کرتی ہے اس کو اس منصب کیلئے منتخب کر لیتی ہے۔

اگر نبوت ان کمالات میں سے ہوتی جو مجاہدات و ریاضات، پاکبازی، صبر  
نیت وغیرہ عبادات کے صلہ میں انعامی طور پر ملتے ہیں تو یقیناً اس کیلئے سب سے  
موافق زمانہ خود نبی کی موجودگی کا زمانہ ہوتا، کیونکہ جتنی عملی جدوجہد، اتباع شریعت کا  
جستار جذبہ خود نبی کے زمانہ میں ہوتا ہے اس کے بعد نہیں ہوتا، مگر نبوت کی تاریخ اس  
کے برخلاف ہے یعنی جب خدا تعالیٰ کی زمین شر و فساد، طغیانی و سرکشی، تنجیر و تہدمت سے  
بھر گئی ہے، صلاح و تقویٰ کا تھم فاسد ہو گیا ہے، رشد و ہدایت کے آثار محو ہو گئے ہیں  
وہی وقت انبیاء علیہم السلام کی آمد کا سب سے زیادہ موزوں قرار پایا ہے، کیا اس سے  
یہ نتیجہ نکالنا آسان نہیں ہے کہ نبوت وہ انعام نہیں ہے کہ ولایت و صدیقیت کی  
طرح امتوں میں تقسیم کی جائے بلکہ دنیا میں انتہائی دور ضلالت میں خدا کی صفت  
ہدایت کا اقتضاء ہے، اس میں کسب و اکتساب اور ماحول کی مساعدت و نامساعدت کا  
کوئی دخل نہیں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ نبوت ان کمالات میں سے نہیں ہے جو ریاضات



ومجاهدات کے صلہ میں بطور انعام کسی وقت بھی بھجوا دیا ہو بلکہ یہ ایک الہی منصب سے جس کا تعلق تشریفی ضرورت اور براہ راست خدا تعالیٰ کی عنایت اجتناب و اصطفاء کے ساتھ ہے، وہ جے چاہتا ہے اس منصب کیلئے جن لیتا ہے۔

### رسالت کا مفہوم

آنحضرت ﷺ کی رسالت کا صحیح اور پورا مفہوم اسی وقت ادا ہوتا ہے جبکہ آپ کو خاتم النبیین بھی بھجا جائے، آپ کو صرف رسول اللہ بھجنا اور خاتم النبیین نہ بھجنا آپ کی حیثیت کے صرف ایک ہی جزء کو ادا کرتا ہے اور وہ بھی مشترک جزء کو، آپ کے منصب عالی کا متنازعہ جزء خاتم النبیین ہے، لیکن چونکہ یہ دونوں حیثیتیں آپ کی ذات میں جمع ہیں اور اس طرح جمع ہیں گویا ایک ذات کے دو عنوان ہیں اس لئے عام طور پر صرف اقرار رسالت ختم نبوت کے اقرار کیلئے کافی بھجا گیا جیسا کہ کلمہ توحید کا اقرار، اس کا اقرار گو رسالت کے اقرار سے ایک جداگانہ شے ہے مگر جو توحید آپ کی حکم برداری میں تسلیم کی جائے وہ اقرار بالرسالت کے ہم معنی ہے اس لئے بعض احادیث میں صرف کلمہ توحید کی شہادت کو مدار نجات قرار دے دیا گیا ہے، اسی طرح آپ کی رسالت اور ختم نبوت کا مسئلہ بھجنا چاہئے۔

### عقیدہ ختم نبوت ایمان کا جزء ہے

حدیث میں جس طرح خدا تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ نے اپنی ختم نبوت پر بھی ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی رسالت پر ایمان آپ کی ختم نبوت پر ایمان لانے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتا، قرآن کریم میں وَلَٰكِنْ رَسُولَ اللَّهِ كَے ساتھ خاتم

النبيين کا لفظ اسی لئے ہے کہ آپ صرف رسول اللہ نہیں بلکہ خاتم النبیین بھی ہیں، اس کے برخلاف آپ سے پیشتر جتنے رسول ہوئے وہ صرف رسول اللہ تھے اسی لئے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ خاتم النبیین ہے، یہ آنحضرت ﷺ کا مخصوص لقب ہے اور آپ ﷺ نے ہی اس کا دعویٰ کیا ہے، حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ لقب صرف بطور مدح نہیں ہے بلکہ یہ بہ حیثیت عقیدہ کے ایک عقیدہ ہے، خاتم الشعراء اور خاتم المحدثین کی طرح یہ صرف ایک محاورہ نہیں ہے۔  
**رسول اللہ ﷺ کا تصور**

آنحضرت ﷺ کے تصور کیلئے دو باتوں کا تصور ضروری ہے، یہ کہ آپ رسول اللہ ہیں اور یہ کہ آپ خاتم النبیین بھی ہیں، آپ کے متعلق صرف رسول اللہ کا تصور آپ کی ذات گرامی کا ادھورا اور ناقص تصور ہے بلکہ ان ہر دو تصورات پر آپ کا امتیازی تصور خاتم النبیین ہی ہے۔

### ضروری تنبیہ

جب کسی لفظ کا ایک مفہوم اور اس کی مراد امت مسلمہ کے بتواتر استعمال کرنے اور اجماع سے متعین ہوگئی ہو تو قرآن و حدیث میں اس لفظ کے وہی معنی مراد لئے جائیں گے اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ لغت کی استعانت یا دیگر شواہد سے اس لفظ کے دوسرے معنی اور مفہوم مراد لے، مثلاً وحی کا لفظ ہے، لغت میں وہ کس معنی کیلئے ہے اب اس پر بحث کرنی غیر ضروری ہے کیونکہ قرآن کریم میں جب اس لفظ کا استعمال انبیاء علیہم السلام کے دائرہ میں ہوا ہے تو اس کے معنی بندہ اور حق تعالیٰ کے مابین امر کلامی کے ہوتے ہیں، اس لئے جب کہیں وحی کا لفظ انبیاء

ورسل علیہم السلام کے بارہ میں استعمال کیا جائے گا تو اس کے یہی معنی مراد لئے جائیں گے، یا مثلاً نبی کا لفظ ہے، یہ ”نبأ“ سے مشتق ہے اور لغت میں ”انباء“ گوہر خبر کیلئے استعمال کیا جاسکتا ہے لیکن اس کا عام استعمال اب صرف غیب کی خبروں میں ہوتا ہے، تو نبی اللہ کے معنی (فعل یعنی مفعول کا لحاظ کرتے ہوئے) یہ ہوں گے الذى نبأہ اللہ یعنی جس کو اللہ نے نبی بنایا ہو اور اس کو غیب کی خبریں دی ہوں، اس کے بعد اب ختم نبوت کے مفہوم اور معنی پر غور کیجئے۔

### ختم نبوت کے معنی

ختم نبوت کا لفظ ہمیشہ سے امت مسلمہ میں تواتر کے ساتھ استعمال ہوتا چلا آ رہا ہے اور ہمیشہ سے اس لفظ کا مفہوم صرف یہی سمجھا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اب کسی جدید نبوت کا کوئی امکان نہیں ہے خواہ وہ کسی قسم اور کسی مرتبہ ہی کی کیوں نہ ہو، ظلی ہو یا بروزی، تشریفی ہو یا غیر تشریفی ہر قسم کی نبوت ختم کر دی گئی مگر اس معنی سے نہیں کہ آئندہ نفوس انسانہ کو کمال و تکمیل سے محروم کر دیا گیا ہے بلکہ اس معنی سے کہ اب یہ منصب ہی ختم کر دیا گیا ہے۔

### صرف لفظ کا استعمال کافی نہیں

اگر کوئی جماعت صرف ختم نبوت کا لفظ تو استعمال کرتی ہے مگر ان معنوں سے نہیں جن میں کہ عام مسلمان اس کو استعمال کرتے چلے آئے ہیں تو محض اس لفظ کے استعمال کر لینے سے اس کو عام مسلمانوں کی جماعت میں کیے شمار کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ صرف جنت، دوزخ، نبوت اور معجزات کے الفاظ استعمال کرنے والے فلاسفہ کو صرف ان الفاظ کے استعمال کرنے سے مسلمانوں کے عقائد سے متفق نہیں سمجھا

جاسکتا ہے جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ وہ ان الفاظ کا استعمال ان ہی معنوں میں کرتے ہیں جن میں کہ تمام مسلمان ان کو استعمال کرتے چلے آئے ہیں، کیا نصاریٰ اور ہنود بھی توحید کا اقرار نہیں کرتے؟ مگر کیا صرف لفظ توحید کے استعمال کر لینے سے ان کو اسلامی توحید کا معنی کہا جاسکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایمان و اسلام کیلئے یہ ضروری ہے کہ ان حقائق کو اپنے انہی معنوں میں مانا جائے جن میں کہ وہ ہمیشہ سے مسلمانوں میں مسلم رہے ہیں، صرف رسمی الفاظ کی نقالی بے سود ہے۔

### ختم نبوت کی عقلی وجہ

سنت اللہ یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو ختم فرمانے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو کامل کر کے ختم فرماتے ہیں، ناقص کو ختم نہیں فرماتے، نبوت بھی اپنے کمال کو پہنچ چکی تھی اس لئے مقدر یوں ہوا کہ اس کو بھی ختم کر دیا جائے، اگر آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت ختم نہ ہو بلکہ جاری رہے تو لازم آئے گا کہ ان کا خاتمہ نقصان پر ہو، ظاہر ہے کہ ایک نہ ایک دن عالم کا فنا ہونا ضروری ہے، اس سے قبل کسی نہ کسی نبی کا آخری نبی ہونا بھی عقلاً لازم ہے، اب اگر وہ آپ سے زیادہ کامل ہو تو اس کیلئے اسلامی عقیدہ میں گنجائش نہیں، اور اگر ناقص ہو تو خاتمہ نقصان پر تسلیم کرنا لازم ہوگا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب فطرت عالم پر غور کیا جائے گا تو جزوہ و کل میں ایک حرکت نظر آئے گی، ہر حرکت ایک ارتقاء اور کمال کی مستلشی ہوتی ہے، پھر ایک حد پر پہنچ کر یہ حرکت ختم ہو جاتی ہے، اور جہاں ختم ہوتی ہے وہی اس کا نقطہ کمال کہلاتا ہے، انسان کی حقیقت پر اگر غور کیا جائے تو وہ بھی نقطہ سے متحرک ہو کر دم و علقتہ

و مضغ کے قالب طے کرتا ہوا خلق آخر پر جا کر ٹھہر جاتا ہے اور اسی کو اس کی استعداد فطری کا کمال کہا جاتا ہے، پیدا ہونے کے بعد اس کے اعضاء میں پھر ایک حرکت اور ایک نشو و نما نظر آتا ہے اور وہ دور شباب پر مکمل ہو کر ختم ہو جاتا ہے اور اسی کو اس کا زمانہ کمال کہا جاتا ہے۔

نباتات اور اشجار کو دیکھئے تو وہ بھی ایک چھوٹی سی گھٹلی سے حرکت کرتے کرتے ایک تناور درخت بن جاتا ہے، آخر کار اس پر پھل نمودار ہوتے ہیں اور جب وہ نمودار ہوتے ہیں تو یہ اس کا کمال سمجھا جاتا ہے، اسی کمال پر پہنچ کر درخت کا ایک دور حیات ختم ہو جاتا ہے، آئندہ دور حیات کیلئے پھر اس کو بہت سے انہیں ادوار کو دوہرانا پڑتا ہے جن میں سے گزر کر وہ اس سرسبز و سرسبز چھائی میں موسم خزاں آتا ہے اور اس کے دور حیات کو ختم کر جاتا ہے، اگر قدرت کو اس کی پھر نشاۃ ثانیہ منظور نہ ہوتی تو وہ یونہی سوکھ کر ختم ہو گیا ہوتا مگر چونکہ اس کو ابھی باقی رکھنا منظور ہوتا ہے اس لئے پھر اسے وہی سبز بڑھتی، وہی ہری ہری چکدار ڈالیاں مل جاتی ہیں، پھر اس پر پھول آتے ہیں اور آخر میں پھل نمودار ہوتے ہیں، جب تک یہ درخت موجود رہتا ہے اسی طرح اپنے ارتقائی مدارج کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک دوہرایا کرتا ہے، جو درخت اپنی ابتدائی کڑیوں کو پھر نہیں دوہراتے وہ ایک مرتبہ پھل دے کر اپنی زندگی ختم کر جاتے ہیں جیسے کیلا کا درخت ہے۔

اسی طرح سمجھا جائے کہ عالم نبوت میں بھی ایک تدریج نمایاں ہے، حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر تمام شریعتوں پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ تمام نبوتیں کسی ایک کمال کی جانب متحرک ہیں، ہر پچھلی شریعت پہلی سے نسبتاً ارتقائی شکل



میں نظر آتی ہے، اس لئے اس طبعی اعمال کے مطابق ضروری ہے کہ یہ حرکت بھی کسی نقطہ پر جا کر ختم ہو جس کو اس کا کمال کہا جائے۔

لیکن جب خود نبوت ہمارے ادراک سے بالاتر حقیقت ہے تو اس کے آخری نقطہ کمال کا ادراک بدرجہ اولیٰ ہماری پرواز سے باہر ہونا چاہئے اس لئے ضروری ہے کہ قدرت خود اس کی کفالت فرمائے اور خود ہی اس کا اعلان کر دے کہ نبوت کا ارتقاء یہاں ختم ہوا ہے، وہ مرکزی اور کامل ہستی آنحضرت ﷺ کی مبارک ہستی ہے، قرآن کریم میں اس کا اعلان فرماتے ہوئے وَلَٰكِن رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّیْنَ کے بعد فرمایا ہے وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا یعنی اللہ تعالیٰ ہی کو ہر چیز کا علم ہے وہی یہ جانتا ہے کہ نبیوں میں خاتم النبیین اور آخری نبی کون ہے، یہ بات تمہاری دریافت سے باہر ہے کہ تم معلوم کر سکو کہ اس کے رسولوں کی مجموعی تعداد کتنی ہے، ان میں اول کون ہے اور آخری کون ہے۔

**نبوت نے اپنا مقصد پایا**

آنحضرت ﷺ کے بعد اب کوئی نیا رسول نہیں آئے گا کیونکہ اگر کوئی رسول آئے تو یا تو وہ آپ سے افضل ہو گا یا مضغول، اگر افضل ہو تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ نبوت نے ابھی تک اپنے اس کمال کو نہیں پایا جس کیلئے وہ متحرک ہوئی تھی اور اگر مضغول ہو تو کمال کے بعد پھر یہ نزولی حرکت اسی وقت مناسب ہو سکتی ہے جبکہ عالم کی پھر نشاۃ ثانیہ تسلیم کی جائے۔

لیکن چونکہ دنیا کی اہل متقدمہ پروری ہو چکی تھی اس لئے ضروری تھا کہ نبوت کی آخری اینٹ بھی لگادی جائے اور اعلان کر دیا جائے کہ دنیا کی عمر کے ساتھ قمر نبوت کی



بھی تکمیل ہو گئی ہے اور نبوت نے اپنا مقصد پایا ہے۔

ختم نبوت دینی ارتقاء اور خدا تعالیٰ کے انتہائی انعام کا اقتضاء ہے اور وہ کمال ہے کہ اس سے بڑھ کر امت کیلئے کوئی اور کمال نہیں ہو سکتا ہے، پھر حیرت ہے کہ اتنے عظیم الشان کمال کو برعکس محرومی سے کیسے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

دین اسلام کامل ہو چکا ہے اس کی روشنی اقتضاء عالم میں پھیل چکی ہے، خدائی نعمت پوری ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رہی اور ہمیشہ کیلئے ایک اسلام ہی پسندیدہ دین ٹھہر چکا ہے اس لئے آئندہ نہ گمراہی، امتنا تنہد حاصل کر سکتی ہے کہ ہدایت کو فنا کر دے اور اس کے تمام جوشے خشک ہو جائیں، اس کی ایک کرن بھی چمکتی نہ رہے اور نہ اس لئے کسی رسول کے آنے کی ضرورت باقی ہے۔

ختم نبوت درحقیقت اس کا اعلان ہے کہ نور نبوت اب تمام عالم کو اس طرح روشن کر چکا ہے کہ اب کفر خواہ کتنا ہی سر پٹکے مگر وہ اس کے بھجانے سے بچ نہیں سکتا، خدا کا اقرار اور اس کے صفات کی معرفت، غیب کا یقین اب محمود عالم کا اس طرح جزو بن چکے ہیں اگر کہیں اس مرتبہ پھر یہ معرفت ختم ہو گئی تو بس اس کے ساتھ ہی عالم کی روح بھی ٹھکل جائے گی اور قیامت قائم ہو جائے گی۔

بڑی غلط فہمی

یہ بڑی غلط فہمی ہے کہ ختم نبوت کو کمالات کے ختم کے ہم معنی سمجھ لیا گیا ہے، ہمارے اس بیان سے روشن ہو گیا کہ نبوت کا ختم ہونا تو خدائی نعمت کے اتمام اور دین کے انتہائی ارتقاء و عروج کی دلیل ہے، البتہ کمالات و برکات کا خاتمہ بلاشبہ محرومی ہوتی مگر روایات سے ثابت ہے کہ امت مرحومہ کے کمالات تمام امتوں سے

زیادہ ہیں اور اتنے زیادہ ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے نبی کو بھی اس امت کے کالائت بن کر قتل ہو سکتی ہے کہ وہ بھی اس امت کے ایک فرد ہوتے۔

### ایک مغالطہ

ایک مغالطہ یہ ہے کہ ختم نبوت کا مطلب یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ نبوت کی بندش گویا آپ ﷺ کی تشریف آوری کی وجہ سے ہوئی ہے، اگر آپ تشریف نہ لاتے تو شاید کچھ اور افراد کو نبوت مل جاتی، یہ بھی انتہائی جہالت ہے، خاتم النبیین کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ سلسلہ انبیاء علیہم السلام میں آپ ﷺ سب سے آخری نبی ہیں، اس لئے آپ کی آمد ہی اس وقت ہوئی ہے جبکہ انبیاء علیہم السلام کا ایک ایک فرد آپکا تھا، اس لئے آپ کی آمد نے نبوت کو بند نہیں کیا بلکہ جب نبوت ختم ہو گئی تو اس کی دلیل بن کر آپ ﷺ تشریف لائے ہیں اور اس معنی سے آپ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے، اگر علم ازیلی میں کچھ اور افراد کیلئے نبوت مقدر ہوئی تو یقیناً آپ کی آمد کا زمانہ بھی ابھی اور مؤخر ہو جاتا۔

### فاحش غلطی

سب سے زیادہ فاحش غلطی یہ ہے کہ اس پر غور نہیں کیا گیا کہ پہلے ایک نبی کے بعد دوسرا نبی کیوں آتا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی نبوتیں خاص قوم اور خاص زمانہ کیلئے ہوتی تھیں اس لئے ہر نبی کے بعد لامحالہ دوسرے نبی کی ضرورت باقی رہتی تھی، لیکن جب وہ نبی آگیا جس کی نبوت کسی خطہ، کسی قوم اور کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں تو اب اس کے بعد نبوت کا سوال ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کی موجودگی کے زمانہ میں۔

آپ کا دورہ نبوت دوسرے انبیاء کی طرح ختم نہیں ہوا، پس درحقیقت نبوت تو اب بھی باقی ہے اور وہ نبوت باقی ہے جو تمام نبوتوں سے کامل تر ہے ہاں نبی اور کوئی باقی نہیں رہا، جب آپ کی نبوت باقی ہے تو اب جدید نبوت کا سوال خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

ہموز آل ابر رحمت در نشان ست  
حسم و نخانہ باہر نشان ست  
آپ ﷺ کا تشریف لانا تمام جہاں کیلئے رحمت ہے  
کس کا مطلب یہ ہے کہ اب خاتم بذات خود تمام جہاں کیلئے رحمت بن کر آ گیا ہے، اتنی بڑی رحمت کہ اس کے بعد کسی اور رحمت کی ضرورت نہیں ہوگی۔

آج تک ہر رسول کے بعد دوسرے رسول کے انکار سے کفر کا خطرہ لگا رہتا تھا خاتم النبیین کی آمد سے یہ کتنی بڑی رحمت ہوئی کہ اس راستہ سے اب کفر کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہا، نہ کسی اور رسول کے آنے کا امکان ہے نہ کسی کے انکار سے کفر کا اندیشہ باقی ہے۔

### بعثت عام اور ختم نبوت

اگر آپ ﷺ کی بعثت عام نہ ہوتی اور نبوت ختم ہو جاتی تو آنے والی امت بغیر رسول کے رہ جاتی، یہ بھانے رحمت کے ایک اور رحمت ہوئی اس لئے جب نبوت کا ختم ہونا مقدر ہوا تو آپ ﷺ کی بعثت کا دامن قیامت تک کے انسانوں پر پسلا دیا گیا تاکہ رہتی دنیا تک تمام انسان کامل و اکمل رسالت کے نیچے آجائیں اور کسی دوسرے رسول کے محتاج نہ رہیں۔ اور اگر آپ کی بعثت تو عام ہوتی مگر نبوت ختم

نہ ہوتی تو اب آئندہ اگر کوئی اور کامل رسول آتا اور آپ کی بجائے اس کی اتباع لازم ہوتی تو آپ کا ناقص ہونا ثابت ہوتا (العیاذ باللہ) اور اگر کوئی ناقص رسول آتا تو قابل کے ہوتے ہوئے ناقص کے دامن میں آنا بجائے رحمت کے زحمت بن جاتا اس لئے بعثت عامہ کے بعد نبوت کا ختم ہونا ضروری اور لازمی ہو گیا۔

### ظلی بروزی نبوت کی کوئی قسم نہیں ہے

تاریخ نبوت پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو اس میں صرف دو ہی قسم کی نبوتیں ملتی ہیں، ایک تشریعی دوسری غیر تشریعی اور یہ دونوں براہ راست نبوتیں ہیں، تو اب نبوت کی ایک اور تیسری قسم (ظلی، بروزی اور بالواسطہ نبوت) کا تراشنا تاریخ نبوت کے خلاف ہے۔

قرآن و حدیث میں کوئی ایک آیت اور ایک حدیث بھی دستیاب نہیں ہو سکتی جس میں آنے والی امت میں سے کسی کو نبی کہا گیا ہو اور نہ ہی دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا نبی بتلایا جاسکتا ہے جو کسی نبی کے واسطہ اور اس کی اتباع کے صلہ میں انعامی طور پر نبی بنا دیا گیا ہو۔

احادیث میں آنحضرت ﷺ کے بعد ہر قسم کی نبوت کی نفی کر دی گئی ہے اور کسی تفصیل کے بغیر لابی بعدی میرے بعد کوئی نبی نہیں کہہ دیا گیا ہے اسی لئے آپ کے بعد ہر مدعی نبوت کو کذاب و دجال کہا جا رہا ہے، کسی حدیث سے ظلی، بروزی نبوت کی تقسیم ثابت نہیں ہوتی۔

پھر آخر کس دلیل سے نبوت کی ایک تیسری قسم مان کر اس کو جاری قرار دیا جائے؟ کیا آیت خاتم النبیین کے عموم میں محض اختراعی تقسیم کی وجہ سے تخصیص

پیدا کر کے قرآن کریم میں کھلی تحریر کا ارتکاب کر لیا جائے؟

فنائی الرسول اور اتباع کی وجہ سے بھی نبوت نہیں مل سکتی

اگر فنائی الرسول اور اتباع رسول کی وجہ سے کسی کو نبوت مل سکتی اور امت میں کوئی ہلکی سے ہلکی نبوت بھی جاری ہوتی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ضرور اس سے حصہ دیا جاتا مگر حالت یہ ہے کہ شب بھرت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے بستر پر ساری رات آپ ﷺ کی جگہ قربان ہونے کے شوق میں پڑے ہوئے ہیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ راستہ کے ہر خطرناک موقع پر سربکھٹ حاضریں مگر فنائی الرسول کے سہارے ان شاوروں کو نبوت کا چھوٹا سا چھوٹا موتی بھی ہاتھ نہیں آیا، بلکہ اگر کسی کے متعلق سیاق کلام میں نبوت کا کوئی ادنیٰ احتمال بھی پیدا ہوتا نظر آیا تو اس کو بڑی صفائی سے دور کر دیا گیا اور کسی کیلئے لفظ نبی کی گنجائش نہیں دی گئی، اس لئے آنحضرت ﷺ نے غزوہ تبوک جاتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب مدینہ منورہ میں اپنا جانشین بنایا اور اماناً ترطی ان تکون مئی بمنزلہ ہارون من موسیٰ میں اس علاقہ اور نسبت کا تذکرہ آیا جو صرف حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے درمیان تھا تو لا ائد لا نبوة بعدی (رواہ مسلم) فرمایا اس غلط فہمی میں پڑنے سے امت کو بچالیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت و جانشینی بھی کہیں حضرت ہارون علیہ السلام کی طرح خلافت نبوت نہ ہو۔

تنبیہ: ایسی حدیثوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ہارون علیہ السلام کی ذات گرامی سے تشبیہ دینا مقصود نہیں ہے اسی لئے ائد بمنزلہ ہارون نہیں

فرمایا بلکہ اس نسبت اور علاقہ سے تشبیہ مقصود ہے جو حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے درمیان تھا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی غیبت کے زمانہ میں کوہ طور جاتے ہوئے اپنی قوم کی نگرانی کیلئے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کا انتخاب کیا تھا اسی طرح اپنی غیبت میں جوک جاتے ہوئے میں تمہارا انتخاب کرتا ہوں اتنا فرق ضرور ہے کہ وہ نبی تھے تم نبی نہیں ہو۔

ظاہر ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبوت ملتی تو وہ یقیناً آپ ﷺ کے اتباع ہی کی بدولت ملتی اور وہ ظلی، بروزی نبوت کہلاتی مگر جب اس احتمال کی بھی نفی کر دی گئی تو اب اتباع رسول سے نبوت کے ملنے اور ظلی، بروزی، مجازی، کسی طرح کی نبوت کا بھی احتمال باقی نہیں رہا۔

**محدث اور مکلم بھی نبی نہیں ہوتے**

حضرت علیہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ سے نسبت اخوت تھی اس کے باوجود نبی نہیں بن سکے، اس نسبت اخوت سے بڑھ کر اہمیت کی نسبت ہے گمان ہو سکتا تھا کہ آپ کا کوئی فرزند ہوتا تو شاید وہ نبی ہو جاتا چنانچہ ان کے متعلق حدیث میں یہ ارشاد ملتا ہے: لو عاش ابراہیم لکان صدیقاً نبیاً اگر ابراہیم زندہ رہتے تو صدیق نبی ہوتے لیکن جس ذات قدیر و حکیم نے ختم نبوت کو مقدر فرمایا تھا اس نے ان کے لئے عالم تقدیر میں اتنی عمر ہی نہیں لکھی کہ ان کی علو استعداد ظاہر ہو سکے اور ختم نبوت سے ٹکرائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فطرت میں رسول خدا ﷺ کے دامن اقدس سے وابستہ ہو جانے کے بعد کمال نبوت کا کیسا انوکھا سہوا تھا اور آپ ﷺ



کی فطرت کو نبوت سے کتنی مناسبت تھی وہ خود آنحضرت ﷺ کے بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سایہ سے شیطان ترساں و لرزاں رہنے لگے تھے اور جس راستہ سے عمر رضی اللہ عنہ نکل جائیں تو شیاطین وہ راستہ ہی چلنا چھوڑ دیا کرتے تھے، وہ بولتے تھے تو بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ وحی الہی ان کی موافقت میں بولتی تھی، وہ ملہم من اللہ اور محدث امت تھے مگر ان سب اوصاف و کالات کے باوجود بھی ان کے بارہ میں حدیث میں آیا ہے لو کان نبی من بعدی لکان عسرا میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو عمر ہوتا، اس سے یہ بات اور زیادہ صاف ہو جاتی ہے کہ محدث اور مکلم بھی نبی نہیں ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا محدث ہونا اور نبی نہ ہونا دونوں باتیں حدیث سے ثابت ہیں، نتیجہ واضح ہے کہ محدث نبی نہیں ہوتا، حدیث میں بھی من غیر ان یسکونوا انبیاء مگر وہ نبی نہ ہوتے تھے کہہ کر محدث کے نبی نہ ہونے کی تصریح کر دی گئی ہے۔

اب اس پر غور کیا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگر نبی کہلاتے تو ظاہر ہے کہ مجازی طور پر ہی کہلاتے مگر جب وہ بھی نبی نہیں کہلاتے تو پھر امت میں کسی دوسرے کو نبی کہلانے کا استحقاق اور جواز کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ اگر بشر است نبوت کا جزء ہیں تو کیا ان کو نبوت کہا جاسکتا ہے؟ احادیث میں ایک طرف تورو یا صاحب کو نبوت کا چھیالیسواں جزء کہا گیا ہے دوسری طرف بعض بلند اطلاق کو چھیالیسواں جزء قرار دیا گیا ہے، حدیث میں ہے:

التودة والاقتصاد وحسن السمات من ستة وعشرين جزء  
من النبوة ہر بردباری و متانت، میاں روی اور اچھی روش نبوت کا چھیالیسواں جزء

ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ان اخلاق کی وجہ سے کسی کو نبی نہیں کہا جاسکتا، جب چھپیروں  
جزء کو نبوت نہیں کہا جاتا تو چھپالیوں جزء کو نبوت کیسے کہا جاسکتا ہے۔

اسکے علاوہ یہ کہ جزء ہمیشہ اپنے کل کے مغائر ہوتا ہے دیکھئے یہی کلمات  
جن کا مجموعہ اذان کہلاتا ہے علیحدہ علیحدہ اذان نہیں کہلاتے، عناصر اربعہ انسان کے  
اجزاء ہیں مگر ان میں سے کسی کو انسان نہیں کہا جاتا، مثلاً پانی انسان کا ۷۰/۸۰ حصہ ہے  
مگر انسان نہیں ہے، تو ریاضائے نبوت کا چھپالیوں جزء ہو کر نبوت کیسے ہو سکتا ہے؟  
افادہ: ریاضائے نبوت کے حقیقۃً اجزاء نہیں ہیں کیونکہ نبوت کسی ایسی حقیقت  
مربکہ کا نام نہیں ہے جس کا تجزیہ و تحلیل ممکن ہو، وہ ایک منصب ہے جس کا تعلق  
صرف خدائی اعطاء اور اجتباء پر موقوف ہے، ہاں اس کے کچھ خصائص و لوازم ہیں  
جو اس کی ماہیت کا جزء نہیں ہوتے کیونکہ اصطلاح میں خصائص و اجزاء میں فرق ہوتا  
ہے، مگر اہل عرف کے نزدیک ان خصائص و فضائل ہی کو مجازاً اجزاء کہہ دیا جاتا ہے۔

ختم نبوت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ امت کمالات سے محروم ہو گئی  
احادیث سے واضح ہے کہ اچھے خواب دیکھنا، الہام اور فرشتوں کے ساتھ  
مکاہ، امت کا دینی اور دنیوی نظم و نسق قائم رکھنا یہ سب وظائف امتِ محمدیہ کے  
محدثین اور خلفاء کی طرف منتقل کر دیے گئے ہیں، اگر کہیں نبوت ختم نہ ہوئی ہوتی تو یہ  
اپنے کمال است و استعداد کے لحاظ سے اس کے اہل تھے کہ انہیں منصب نبوت  
سے سرفراز کر دیا جاتا، اس سے ظاہر ہے کہ امتِ محمدیہ میں بھی استعداد نبوت تو  
موجود ہے اور انسانی بندے سے بلند کمالات اسے حاصل ہو سکتے ہیں اس لئے ختم نبوت کا  
یہ مطلب نہیں سمجھنا چاہئے کہ امت کمال است سے محروم ہو گئی ہے بلکہ تمام تر

کمال اور پوری استعداد و لیاقت کے باوجود اب چونکہ عہد نبوت پر تقرری کے لیے کوئی جگہ خالی نہیں رہی اور منصب نبوت کا عطا ہونا بند ہو گیا اس لیے اس منصب پر کسی کا تقرر نہیں ہو سکتا۔

ظاہر ہے کہ کسی منصب پر تقرر کیلئے ذاتی استعداد اور قابلیت کے علاوہ تقرر کی جگہ کا خالی ہونا بھی شرط ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں نبی نہیں ہوئے اگر اس کی وجہ یہ ہوتی کہ ان حضرات میں اتنی لیاقت و استعداد بھی نہ تھی تو یقیناً یہ اس امت کا نقص شمار ہوتا لیکن اگر تقرر کی کوئی جگہ ہی نہیں ہے تو اس میں امت محمدیہ کا کوئی تصور نہیں نکلتا ہے، یہ بات حکومت کے نظم و نسق کے متعلق ہے کہ وہ کسی عہدہ پر کتنے اشخاص کا تقرر کرنا چاہتی ہے۔

**امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے کمال اور عظمت**

اس سے امت محمدیہ کے کمال اور عظمت کا اندازہ کرنا چاہئے کہ جن خدمات کے لئے پہلے انبیاء علیہم السلام بھیجے جاتے تھے اب اس امت کے علماء اور خلفاء اس کو انجام دیا کریں گے۔

اب غور کیا جائے کہ امت محمدیہ کی ہر عہدہ اس میں ہے کہ اسے مامل قرار دے کر اس میں نبی پیدا کیا جائے یا اس میں کہ اس کے خلفاء وہ خدمات انجام دیں جو پہلے کبھی انبیاء علیہم السلام ادا فرمایا کرتے تھے۔

اسلام میں ختم نبوت کے عقیدہ کو بنیادی عقیدہ کی حیثیت حاصل ہے اسلئے آپ نے غور فرمایا کہ اس عقیدہ کی کس کس طرح حفاظت کی جا رہی ہے، اگر کہیں ذرا بھی اس بنیادی عقیدہ کو ٹھیس لگتی نظر آتی ہے تو فوراً صفائی کے ساتھ اس کی اصلاح

کردی جاتی ہے اور معمولی سے ابہام کو بھی اس سلسلہ میں برداشت نہیں کیا گیا۔

### رسول اللہ ﷺ کی حیثیت

اسلام میں رسول کی حیثیت کے متعلق ایک اصولی اور سب سے مقدس عقیدہ یہ ہے کہ اس کی ذات بابرکات امت کیلئے مرنیات البیہ کا نمونہ اور اسوہ حسنہ بنا کر بھیجی جاتی ہے، اس کا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے کہ خالق جل و علا کی نظر میں جتنی پسندیدہ صفات ہیں وہ سب کی سب اس کی ذات گرامی میں جمع کر دی جاتی ہیں اور جتنی صفات ناپسندیدہ ہیں وہ ایک ایک کر کے اس کی ذات عالیہ سے علیحدہ کر دی جاتی ہیں کیونکہ کسی چیز کے نمونہ کہنے کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ صاحب نمونہ کی پسندیدگی کا معیار ہے۔

حق تعالیٰ نے جہاں اپنی جانب سے اپنی کتاب قرآن کریم دے کر سر فرما فرمایا تھا اس کے ساتھ ہی اس کتاب کا ایک عملی نمونہ بھی عنایت فرمایا تھا اور وہ رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہے، ہذا جس طرح اللہ کی کتاب ہر قسم کے عیب و نقص سے مبرا ہے اسی طرح اس کا نمونہ بھی ہر عیب و نقص سے مبرا اور پاک و صاف ہونا چاہئے، یہی وجہ ہے کہ کتاب اللہ کی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسوہ رسول اللہ کو بھی اپنا پیشوا بنالیا، اللہ تعالیٰ نے رسول کی ذات گرامی کو اسوہ حسنہ فرمایا اور صحابہ کرام نے کسی لیت و لعل کے بغیر آپ ﷺ کو اپنا اسوہ بنالیا۔

اسوہ حسنہ رسول کی عصمت کا دوسرا مدلل عنوان ہے

اللہ تعالیٰ نے جس طرح تبلیغ احکام کیلئے آپ ﷺ کو اپنا رسول بنا کر خود بھیجا تھا اسی طرح آپ کی ذات گرامی کو نمونہ اور اسوہ حسنہ بھی خود ہی بنا کر بھیجا تھا،

ہذا اس طرح آپ کے علوم کی قدرت حقائق تھی اسی طرح آپ کے اعمال و افعال کی بھی قدرت ہی خود نگران تھی اور عصمت رسول کا مفہوم بھی یہی ہے، اسوہ حسنہ کو رسول کی عصمت کا دوسرا مدلل عنوان سمجھنا چاہئے۔

اب اگر رسول کے کسی قول و عمل میں مصیبت کی گنجائش تسلیم کر لی جائے تو دو باتوں میں سے ایک بات ماننی لازم ہوگی، یا رسول کی ذات اسوہ نہ رہے یا مصیبت بھی اسوہ کا جزو بن جائے اور امتوں کے حق میں مصیبت کا یہ عمل بھی مذموم نہ رہے کیونکہ جب وہ مصیبت خود قدرت کے نمونہ میں موجود ہوگی تو پھر اس کی اتباع پر امت سے باز پرس کیوں ہوگی؟ یہ دونوں باتیں ایک لمحہ کیلئے بھی قابل تسلیم نہیں اس لئے یہی بات تسلیم کرنی ہوگی کہ رسول چونکہ معصوم ہوتا ہے اس لئے اس کے کسی عمل پر مصیبت کا اطلاق نہیں ہو سکتا، اس کا ہر عمل نظر ربوبیت میں حسنہ اور نیکی شمار ہوتا ہے اور نیکی بھی وہ جس کو نمونہ کہا جاسکے۔

### مسکریں حدیث کا عقیدہ

ان کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا منصب رسالت صرف تبلیغ قرآن پر ختم ہو جاتا ہے، گویا ان کے نزدیک آپ کی حیثیت ایک پوسٹ مین سے زیادہ نہیں تھی (والعیاذ باللہ) اب ہمیں اس پر غور کرنا چاہئے کہ قرآن کریم میں رسول کی کیا حیثیت قرار دی گئی ہے، اوپر معلوم ہو چکا کہ منصب رسالت براہ راست خدا کے انتخاب پر موقوف ہے اور یہ کہ رسالت صرف وہی ہے بندوں کے کسب و اكتساب یعنی عبادات و ریاضات کو اس کے حصول میں کچھ دخل نہیں ہے، قدرت رسولوں کا انتخاب خود ہی کرتی ہے۔



قرآن کریم کی واضح آیات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام اور رسولوں کی تعلیم و تربیت خود کرتے ہیں، وہ ان کو خود پڑھا کر خود ہی یاد بھی کراتے ہیں سنقرئک فلا تنسی۔ الاما شاء اللہ ہم آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ نہ بھولیں گے بجز اس کے جس کو خدا چاہے، پھر اس وحی کے بیان کی ذمہ داری بھی خود ہی اٹھاتے ہیں ان علینا بیانہ اس کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عواطف و میلان قلبی کی بھی نگرانی کرتے ہیں اور ان کے عزائم اور افعال، قلبی خطرات کی بھی پوری نگرانی کی جاتی ہے اس لئے امت ان کے متعلق معصوم ہونے کا عقیدہ رکھتی ہے لولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیہم شیئاً قلیلاً اگر ہم آپ کو تمام نہ لیتے تو کچھ نہ کچھ آپ ان کی طرف جھک چلے تھے، اس ربانی تعلیم و تربیت، عصمت اور ہمہ وقت نگرانی کی وجہ سے نبی کی جہات ہوتی ہے وہ خواہش نفس سے پاک اور صاف ہوتی ہے اور انہیں رائے کی عصمت بھی حاصل ہوتی ہے۔

ارشاد ہے وما ینطق عن الہویٰ ان هو الا وحی یوحی وہ لہی خواہش سے نہیں بولتا، جو بولتا ہے وہ خدا کی وحی ہوتی ہے جو اس پر بھیجی جاتی ہے، اور ارشاد ہے انا انزلنا علیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما راک اللہ ہم نے آپ پر قرآن سچائی کے ساتھ اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کے معاملات میں اس رائے کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھانے، رسول کے سوا کسی کے ساتھ یہ وعدہ نہیں ہے کہ مخلوق میں فیصلہ کے لئے اللہ تعالیٰ خود ان میں بھڑپیدا کر دیتا ہے، یہ رائے کی عصمت انہیں کے ساتھ



مخصوص ہے۔

### آیت وما ینطق عن الہوی کے معنی

منکرین حدیث اس آیت کریمہ کو صرف قرآن مجید کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں حالانکہ یہاں رسول کی صفت نطق کی مطلقاً مدح مقصود ہے، قرآن کریم پڑھنے کے لئے تمام جگہ تلاوت یا قراءت کا لفظ استعمال ہوا ہے، اگر یہاں قرآن مراد ہوتا تو وما ینطق کی جگہ وما یتلو یا وما یقرا کا لفظ ہونا چاہئے تھا۔

منکرین حدیث چونکہ حدیث کے سربسے سے مخالف ہیں اس لئے وہ رسول کو کسی ایسی صفت کے ساتھ موصوف دیکھنا نہیں چاہتے جس کے بعد اس کو عام امراء و حکام سے کوئی خصوصی امتیاز حاصل ہو جائے۔

اصل یہ ہے کہ رسول اپنی ذات اور تمام صفات میں عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے اس لئے اس کے کان وہ کچھ سنتے ہیں جو عام مخلوق کے کان نہیں سنتے، اس کی آنکھ وہ دیکھتی ہے جو عام آنکھیں نہیں دیکھتیں، اسی لئے فرمایا اِنِّی اری ما لا ترون میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، اسی لئے آپ ﷺ نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس منہ سے حق بات کے سوا کبھی کچھ نہیں نکلتا حتیٰ کہ اپنی خوش طبعی کے متعلق بھی فرمایا اِنِّی لا اقول الا حقاً میں خوش طبعی میں بھی یہی بات کہتا ہوں، اسی لئے فرمایا کہ خصہ اور رضامندی کے ہر حال میں جو میرے منہ سے نکلے سب لکھو وہ حق ہی حق ہوگا، جب اس کے عام نطق کا حال یہ ہے تو جو قرآن اس کی زبان سے نکلتا ہے وہ صدق و صفا کی کس منزل پر ہوگا۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس جگہ قرآن نے آپ ﷺ کے کسی خاص

بات کہنے کے متعلق صفائی پیش نہیں کی وما ينطق بالقرآن وغيره نہیں فرمایا بلکہ مفعول کو حذف کیا ہے ہذا بلاغت کے قاعدہ کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں مفعول مقصود ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کی صفت نطق کی پاکیزگی بتلانا منظور ہے۔ دیکھئے تھنائی کی وہ تقریر جو انہوں نے هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون میں کی ہے۔

ورائے خواہشات نفس سے پاکیزگی اور خطرات کی اس حصمت کی وجہ سے وہ عالم کیلئے مجسم نمونہ عمل بنتے ہیں اور وہ جو بھی کہہ دیتے ہیں سب خواہشات نفس سے پاک اور جو کرتے ہیں وہ سب نیکی ہی نیکی ہوتی ہے اس لئے ان کی ہستی آنکھ بند کر کے اتباع کے قابل ہوتی ہے اور کسی کو ان پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہوتا لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة (ہر قوم کیلئے اپنے پیشوا نمونہ ہوتے ہیں) تمہارے لئے بہترین نمونہ خدا کا یہ رسول ہے۔

احترام رسول ﷺ

اتباع کے ساتھ امت پر رسول کا احترام اتنا واجب ہوتا ہے کہ اس کے سامنے آگے بڑھ کر کوئی بات کہنا ممنوع ہوتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْدَمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَاَتَقُوا اللّٰهَ اَسَٔ اَيَّانَ وَالْوَاكِلَٔ بِرُحُوْلِهِ اور اس کے رسول سے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور اس کے سامنے اونہی آواز سے بولنا اس کو عام انسانوں کی طرح آوازیں دینا ضبط عمل کا موجب ہو سکتا ہے، پڑھئے آیات ذیل:

(۱) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ

اعمالکم وانتم لا تشعرون ۝ اے ایمان والو! اونچی نہ کرو اپنی آوازیں نہی کی آواز سے اور اس سے نہ بوجھ کر جیسے ایک دوسرے کے سامنے ٹرخ کر بولا کرتے ہو، کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

(۲) لَا تَجْعَلُوا دَعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدَعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا رُسُلُكُمْ آتَيْنَ فِي اس طرح مت پکارو جیسا ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

(۳) اِنَّ الَّذِي يَنَادُوْكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ جو لوگ آپ کو دیوار کے باہر سے پکارتے ہیں وہ اکثر عقل نہیں رکھتے۔  
حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رسول کی آواز سے اپنی آواز اونچا کر ناجب عمل کو ضائع کرنے کا موجب ہو سکتا ہے تو اس کے احکام کے سامنے اپنی رائے کو مقدم کر دینا اعمالِ صالحہ کے لئے کیونکر تباہ کن نہ ہوگا۔

اطاعت رسول ﷺ

رسول ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، ارشاد ہے ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ جو رسول کا کہنا مانے اس نے خدای کا کہنا مانا۔  
آیات بالا سے رسول اللہ ﷺ کی واقعی حیثیت کا علم ہوتا ہے کہ وہ ہم وقت مطاع اور لازم الاتباع ہے اور اس کی اطاعت خدا تعالیٰ کی ہی اطاعت ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے اس کا ذمہ لیا ہے کہ رسول جو پڑھ کر سنائیں گے پھر اس کی جو مراد بیان کریں گے وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی، جو کلمہ زبان سے نکالیں گے وہ خواہشات نفس سے قطعاً پاک ہوگا، قرآن میں جو رائے دیں گے وہ بھی خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ ہوگی یہاں تک کہ ان کے دل میں جو خطرات بھی گزریں گے وہ بھی قدرت

کی حفاظت کے نیچے رہیں گے۔ اس کے بعد یہ حق کس کو ہو سکتا ہے کہ وہ رسول کے کلام میں اپنی جانب سے یہ تفریق پیدا کر دے کہ جو اس نے قرآن کہہ کر سنایا ہے وہ تو واجب الطاعت ہے لیکن جو اس نے اس کی مراد بتلائی ہے یا اس نے خود فرمایا وہ واجب الطاعت نہیں بلکہ اس کو شرعی کوئی حیثیت بھی حاصل نہیں۔

رسول بذات خود ایک شرعی منصب ہے، وہ آتے ہی اس لئے ہیں کہ دنیا کو ہدایت اور خدا تعالیٰ کی رضا مندی کی راہ دکھلائیں، اس لئے اس بارہ میں وہ جو کہتے ہیں وہ سب رب العزت کی رسالت کی حیثیت سے کہتے ہیں، جو پہنچاتے ہیں وہ خدا ہی کا حکم ہوتا ہے، اگر قرآن کریم پہنچانا رسالت میں داخل ہے تو اس کی مراد بیان کرنا، اس کی تفصیلات سمجھانا یا دین کے بارہ میں اپنی ہی جانب سے قرآنی آیات کے ماتحت کچھ اور احکام صادر کرنا رسالت کا جزء کیوں نہیں؟

### منکرین حدیث کے عقیدہ پر تبصرہ

قرآن کریم کی کسی ایک آیت میں بھی اس طرف کوئی معمولی سا بھی اشارہ نہیں ملتا کہ رسول کی یہ تمام صفات قرآن کے ساتھ خاص ہیں، یہاں تک کہ حسب وہی دین کے معاملہ میں قرآن کے علاوہ کچھ اور کہتا ہے تو اس کی حفاظت نہیں کی جاتی اور اس میں خواہش نفس کا دخل سونے لگتا ہے اور اس وقت اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں رہتی (العیاذ باللہ)

اب ایک طرف آپ ان آیات قرآنیہ کو پڑھنے دوسری طرف منکرین حدیث کا یہ مذکور عقیدہ دیکھئے کہ صرف قرآن سنا کر رسالت کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے، ان کے اعتماد پر قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام سمجھ لینے کے بعد اب وہ اور ہم (نعوذ باللہ)

برابر ہیں، جیسا وہ قرآن مجتہد میں ہم بھی سمجھ لیتے ہیں، دین کے معاملات میں ان کی رائے کا وزن وہی ہے جو ہماری رائے کا۔

اس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ رسول اپنی زندگی کے طویل و عرضی عرصات میں بہت ہی مختصر لمحات کیلئے منصب رسالت پر مامور ہوتا ہے، بقیہ زندگی میں اس کی حیثیت پھر وہی ہو جاتی ہے جو عام انسانوں کی ہے، لیکن ان آیات سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ رسول کے لئے اتباع اور اطاعت کا حق اور اس کے یہ آداب و عظمتیں کسی وقت کے ساتھ خاص ہیں بلکہ اس کا جو احترام تبلیغ قرآن کے وقت واجب ہے وہی تدبیر مہات اور فصل خصومات اور امت کے دوسرے نظم و نسق کے وقت واجب ہوتا ہے۔ پس جب اس کا احترام ہم وقت واجب ہے تو یہی ماننا پڑے گا کہ وہ ہر وقت رسول ہے، اور جب ہم وقت رسول سے تو دین کے معاملہ میں اس کا جو حکم ہے وہ ہم وقت واجب اطاعت ہے۔

### قرآن کریم میں رسول ﷺ کی اطاعت

رسول کی اطاعت مستقل حیثیت سے بھی واجب ہوتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئ فردوه الی اللہ والرسول فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی اور ان کی جو تم میں حکم کے مالک ہوں (یعنی حکام وغیرہ) پھر اگر تم کسی بات میں جھگڑاؤ تو اسے خدا اور رسول کے سامنے پیش کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین اطاعتیں واجب فرمائی ہیں، دو مستقل اور ایک غیر مستقل، اللہ اور رسول کی اطاعت تو مستقل واجب کی گئی ہے اور

”اولوالامر“ کی تیسری اطاعت ان دونوں اطاعتوں کے ماتحت درج کر دی گئی ہے، اسی لئے پہلی دو اطاعتوں کیلئے لفظ طیعوا (فربانبرداری کرو) مکرر استعمال کیا گیا ہے اور تیسری اطاعت کے لئے جداگانہ امر نہیں فرمایا گیا، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی نظر میں رسول کی اطاعت خدا تعالیٰ کی اطاعت کی طرح ایک مستقل حیثیت بھی رکھتی ہے اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ”اولوالامر“ کی اطاعت ان اطاعتوں کی طرح مستقل حیثیت نہیں یہی وجہ ہے کہ تاریخ سے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ کے حکم کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے کبھی آپ ﷺ سے اس پر قرآن سے دلیل کے پیش کرنے کا مطالبہ کیا ہو، اس کے برخلاف اماموں کو ہمیشہ اپنی اطاعت کیلئے قرآن و حدیث کے پیش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، بلکہ بعض مرتبہ ان کو اپنے قول سے رجوع بھی کرنا پڑتا ہے۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآنی امر میں تشریعی حیثیت کے سوا اور کوئی حیثیت نہیں ہے اس لئے یہاں رسول ﷺ کی اطاعت بھی صرف تشریعی حیثیت سے واجب ہوگی نہ کسی اور حیثیت سے۔

### اطاعت رسول ﷺ کے مستقل ہونے کی توضیح

اطاعت رسول ﷺ کے مستقل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کا ہر حکم ماننا چاہئے خواہ اس کی اصل میں قرآن میں معلوم ہو سکے یا نہ ہو سکے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بعض سنتوں کی اصل قرآن میں موجود نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ رسول کی اطاعت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا مکلف ہی نہیں بنایا کہ اسکی اصل کتاب اللہ میں تلاش کی جائے، اور اولوالامر کی اطاعت اس طرح واجب نہیں



ہے وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے ماتحت ہے اس لئے جب تک وہ احکام خدا اور رسول کی مرضی کے مطابق حکم دیں ان کی اطاعت کی جائے گی اور جب ان کے خلاف کریں واجب الطاعت نہ رہیں گے، صحیح حدیث میں ہے لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ خَالِقٍ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہ کی جائے اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ اطاعت صرف نیکی میں کرنی چاہئے۔

اس بیان سے اطاعت رسول کے مستقل اور ”اَوْثُو الْأَمْرَ“ کی اطاعت کے غیر مستقل ہونے کا مفہوم واضح ہو گیا، اگر رسول کی اطاعت صرف ان احکام تک ہی محدود رہے جو قرآن کریم میں بھی صاف صاف موجود ہیں تو پھر وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ کی آیت کا کوئی مفہوم ہی نہیں رہتا، اَطِيعُوا اللَّهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ (اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی) کی آیت یہ چاہتی ہے کہ خدا کے نزدیک رسول کی اطاعت بھی ایک مستقل لاء ہے۔

منکرین حدیث کو مغالطہ

یہاں منکرین حدیث کو بڑا مغالطہ یہ ہو گیا ہے کہ وہ دو اطاعتوں کی وجہ سے یہ سمجھ گئے ہیں کہ مطاع بھی دو بن گئے، اس لئے یہ خوب بھولنا چاہئے کہ دو اطاعتوں کے واجب ہونے کی وجہ سے مطاع دو نہیں بنتے، دراصل مطاع دونوں جگہ خدا ہی کی ذات رہتی ہے، رسول کی اطاعت میں یہ سمجھنا کہ مطاع خدا کی ذات پاک نہیں ہوتی بڑی غلط فہمی اور قرآن کریم سے ناواقفی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے مَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطاعَ اللَّهَ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا ہی کی

اطاعت کی، گویا رسول کی اطاعت کی صورت میں بھی مطاعِ خدا کی ذات رہتی ہے، پس اطاعت کے تعدد سے مطاع میں تعدد نہ سمجھنا چاہئے، اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول کا بیان اس لحاظ سے کہ اس تفصیل سے قرآن مجید میں مذکور نہیں ہوتا ایک مستقل حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور اس اعتبار سے یہاں مطاع بظاہر رسول کی ذات معلوم ہوتی ہے، اور اگر یہ لحاظ کیا جائے کہ یہ تمام تفصیل بعینہ قرآن کے اجمال کی مراد ہوتی ہے تو اس کی حیثیت کوئی مستقل حیثیت نہیں رہتی اور یہاں بھی اصل مطاعِ خدا کی ذات ہو جاتی ہے، اس لئے احادیثِ رسول پر عمل کرنے والا بلحاظ بیان تو رسول کا مطیع کہلاتا ہے اور بلحاظ مرادِ خدا کی مطیع ہوتا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ قرآن پر عمل کرنے والا خدا کے الفاظ پر بھی عمل کرتا ہے اور حدیث پر عمل کرنے والا اللہ تعالیٰ کی مراد پر عمل کرتا ہے، اس بنا پر اطاعتیں اگرچہ دو نظر آتی ہیں مگر مطاع درحقیقت ایک ہی رہتا ہے۔

### پیچیدہ مسئلہ کا حل

درحقیقت یہ مسئلہ ایک پیچیدہ مسئلہ تھا کہ ایک طرف اسلام کی نازک توحیدِ خدا کی اطاعت اور اسی کی محبت کا مطالبہ کرتی ہے اور دوسری طرف وہ اپنے رسول کی محبت و اطاعت کا بھی حکم دیتی ہے، قرآن کریم نے بتایا کہ نسبت رسالت کے بعد رسول کی ہستی درمیان میں صرف واسطہ ہوتی ہے، پھر اس کی اطاعت و محبتِ خدا کی محبت و اطاعت ہو جاتی ہے، چنانچہ ارشاد ہے مَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطاعَ اللَّهَ یعنی اصل حکم برداری تو خدا کی پاسنے ظاہری سطح میں رسول کی اطاعت کو اس کے خلاف نظر آنے لگے مگر حقیقت میں وہ خدا کی حکم برداری

ہوتی ہے، بلکہ رسول کی اطاعت و محبت کے بغیر خدا کی محبت و اطاعت کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔

امام کی اطاعت کو بعینہ خدا اور رسول کی اطاعت نہیں کہا جاسکتا۔ رسول کی اطاعت چونکہ خدا تعالیٰ کے بیان اور اس کی ارادۃ، اس کی وحی کے بعد ہوتی ہے اس لئے اس کو بعینہ خدا کی اطاعت کہا گیا ہے، امام پر نہ وحی آتی ہے، نہ خدا کی طرف سے اس کی صواب رسی کی کوئی ضمانت دی گئی، وہ جو حکم دیتا ہے اپنی صوابدید، اپنی فہم، اپنے علم کے مطابق دیتا ہے، اس لئے امام کی اطاعت کو بعینہ خدا اور رسول کی اطاعت کہنا بھی غلط ہے اور اس لئے متکثرین حدیث کا یہ کہنا کہ اللہ اور رسول کی اطاعت سے قرآن میں امام وقت کی اطاعت مراد لی گئی ہے سب سے بڑھ کر قرآن کریم کی تحریف ہے۔

اس کے علاوہ امام سے ہر امام مراد ہو تو فاسق امام کی اطاعت کو بھی اللہ و رسول کی اطاعت کہا جاسکے گا، اور اگر خاص صالح امام مراد لیا جائے تو خلفائے راشدین کے بعد تیرہ سو سال میں خدا اور رسول کی اطاعت کا مصداق ہی شاذ و نادر ہوگا، پھر جس دور میں مسلمانوں کا کوئی امام ہی نہ رہے اس میں لازم آئے گا کہ خدا اور رسول کی اطاعت کی کوئی صورت ہی باقی نہ رہے اور اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کا نظام معطل پڑا رہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی بنے شمار آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت اور نجات کا راستہ صرف اطاعت خدا اور رسول میں منحصر ہے، اب اگر اس اطاعت سے مراد امام کی اطاعت ہو تو یقیناً تیرہ سو سال میں اماموں کی بڑی تعداد ایسی ہی سے

جن کی اطاعت کو اللہ اور رسول کی اطاعت نہیں کہا جاسکتا، منکرین حدیث کے مطابق لازم آتا ہے کہ اس عام دور میں مسلمانوں کے لئے راجح نجات و ہدایت مسدود ہو اور مسلمانوں کے پاس اپنے باہمی نزاعات رفع کرنے کی کوئی صورت ہی موجود نہ ہو، گویا دین اسلام ایک ایسا آئین ہو جس پر عمل کرنا دنیا کی طاقت سے باہر ہو۔

**منکرین حدیث کا بحیثیت رسالت رسول کی اطاعت کا انکار کرنا**

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی دو حیثیتیں تھیں، رسالت اور امامت، رسالت کی حیثیت سے آپ ﷺ پر صرف ایمان لانا ضروری تھا اور آپ کی اطاعت کرنا بہ حیثیت امامت تھا نہ کہ بہ حیثیت رسالت، مگر یہ بات واقعات کے بھی خلاف ہے اور خود قرآن کے بھی خلاف ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام امت مسلمہ نے ان دو حیثیتوں کے لحاظ سے کبھی آپ ﷺ کے ساتھ دو قسم کا برتاؤ نہیں کیا اور نہ ہی قرآن کریم نے کہیں ان دو حیثیتوں کا جدا جدا اعتبار کر کے آپ کے دو قسم کے حقوق بتلائے ہیں قرآن مجید میں ارشاد ہے مَا كَانَ الْمُؤْمِنُ وَلَا الْمُؤْمِنَةُ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ جَبَّ جَدًّا اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دیں تو کسی مومن مرد یا عورت کو پھر اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔

اس آیت میں آپ ﷺ کو رسول کہہ کر بحیثیت رسول آپ کے فیصلہ اور خدا تعالیٰ کے فیصلہ کو ایک ہی قرار دیا گیا ہے اور آپ کے فیصلہ کا یہ حق بتایا گیا ہے کہ اب اس کے بعد کسی کو کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، اس کی اطاعت فرض ہو جاتی ہے، پس منکرین حدیث نے جو دو حیثیتیں بیان کر کے ان کے لحاظ سے رسول کے

محیثیت رسول مطاع ہونے کا انکار کیا ہے یہ قرآن کے صریح مخالف ہے، قرآن نے نہ صرف یہ کہ رسول کے محیثیت رسول مطاع ہونے کا اعلان فرمایا بلکہ ہر رسول کی رسالت کا مقصد ہی یہ بتلایا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، ارشاد ہے وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ ہم نے جو رسول بھیجا ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ خدا کے حکم کے ماتحت ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے۔

معلوم ہوا کہ رسولوں کے مطاع ہونے کا قانون اللہ تعالیٰ کا مستمر قانون ہے، قرآن کہتا ہے کہ ہر رسول اطاعت ہی کے لئے بنایا گیا ہے، اس لئے رسولوں کا مطاع ہونا قرآن کے نزدیک حق رسالت ہے اور ایک ایسا عام قانون ہے جس سے کبھی کوئی رسول مستثنیٰ نہیں رہا۔

اب اگر رسول محیثیت رسول مطاع نہ سمجھا جائے تو اس صورت میں رسالت کی غرض ہی فوت ہو جائے اور بعثت رسول بے مقصد قرار پائے، منکرین حدیث کا رسول کو محیثیت رسول مطاع نہ سمجھنا قرآن کے کتنا مخالف ہے، قرآن تو کہتا ہے کہ ہر رسول اطاعت ہی کے لئے مبعوث ہوا ہے اور منکرین حدیث کہتے ہیں کہ کوئی رسول اطاعت کیلئے نہیں آیا صرف ایمان کیلئے آیا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سب سے پہلے بعد کتاب اللہ کے آنحضرت ﷺ کی سنت ہی تلاش کیا کرتے تھے، اگر وہ نہ ملتی تو اس کے بعد اپنی جانب سے جو کچھ میں آتا فیصلہ کرتے اور اگر اس کے بعد بھی آپ کی سنت ہاتھ آجاتی تو اسی کا اتباع کرتے اور اپنے قول سے رجوع کر لیتے، اگر بقول منکرین حدیث آنحضرت ﷺ کی حیثیت ان کی نظر میں صرف ایک امام کی حیثیت



ہوتی تو وہ آپ کی اطاعت صرف آپ کے زمانہ حیات سے وابستہ سمجھتے اور اس کے بعد ان کے نزدیک آپ کے قضا اور فیصلوں کی حیثیت ایک عدالت کے فیصلے سے زیادہ نہ رہتی اور جس طرح ایک خلیفہ کا فیصلہ دوسرے کیلئے حجت نہیں ہوتا اس کو اختیار ہے کہ اس کے ساتھ موافقت کرے یا مخالفت۔ یہی حیثیت آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کے فیصلوں کی ہوتی، مگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تمام تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں بتایا جاسکتا جہاں کسی صحابی نے آنحضرت ﷺ کا کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ سنا ہو اور اس کے ثبوت کے بعد پھر اس کے خلاف فیصلہ کرنے کا اپنے دل میں خطہ بھی محسوس کیا ہو۔

رسول کی اطاعت وفات کے بعد بھی حالت حیات کی طرح ہے یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی اطاعت بحیثیت رسول کرتے تھے نہ کہ صرف بحیثیت امامت، اور یہ کہ ان کے درمیان آپ کی حیثیت آپ کی وفات کے بعد بھی وہی تھی جو آپ کی حیات میں تھی، دونوں حالتوں میں وہ آپ ہی کا فیصلہ تلاش کرتے تھے اور جب آپ کا فیصلہ انہیں مل جاتا تھا تو دونوں حالتوں میں اس پر راضی ہو جاتا اور اس کے خلاف میں اختیار باقی نہ رہتا بالکل یکساں سمجھتے تھے، یہ ہرگز ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں سے کسی ایک شخص نے بھی آپ کی اطاعت میں زندگی اور وفات کے بعد ایک ذرہ برابر بھی کبھی فرق کیا ہو۔

ان کے نزدیک جس طرح رسول کی وفات سے اس پر ایمان لانے میں کوئی فرق نہیں ہوا اسی طرح اس کے احکام کی اطاعت میں بھی کوئی فرق نہیں پڑا حق



بات یہ ہے کہ آپ نبوت سے سرفرازی کے بعد یوم وفات کے ایک ایک لمحہ تک کبھی حیثیت رسالت سے علیحدہ نہیں ہوئے، ہمیشہ آپ پر ایمان، آپ کی اطاعت، آپ کی عظمت اسی منصب کے ماتحت ہوئی اور آج بھی آپ پر ایمان، آپ کی اطاعت اور آپ کا احترام اسی منصب رسالت کے اعتبار سے ہے اور تاقیامت اسی حیثیت سے کیا جاتا رہے گا، اس کے خلاف جو کچھ ہے وہ سب حق کے خلاف ہے۔

### قرآن کے لئے رسول کی ضرورت

ہمارے نزدیک قرآن کے الفاظ اور معانی دونوں کیلئے رسول کی ضرورت ہے، جو شخص رسول کی احادیث سے مستثنیٰ ہونا چاہتا ہے اور محض اپنی عقل سے قرآن کی تشریحات کرتا ہے وہ درحقیقت کتاب اللہ کے ساتھ آئین سازی میں شرکت کا مدعی ہے، اور جو شخص اپنے فیصلوں کو رسول کے فیصلہ کے ہم پلہ سمجھتا ہے وہ درحقیقت رسول کا منکر ہے بلکہ رسالت کی ضرورت کا منکر ہے۔

### کتاب اللہ کی عملی تشکیل بھی رسول کے فرائض میں سے ہے

حالانکہ قرآن کریم کو اپنی تلاوت کے ابتدائی مرحلہ سے لے کر اپنی مراد کی تعیین اور عمل کی تشکیل کے ایک ایک گوشہ تک رسول کی احتیاج ہے، رسول کی ضرورت صرف اتنی بات کیلئے نہیں ہوئی کہ وہ خدا کی کتاب ہم تک پہنچا دیں بلکہ اس سے بڑھ کر کتاب اللہ کی تعلیم، اس کا بیان اور اس کی عملی تشکیل بھی اس کے فرائض میں سے ہے، اسی لئے حدیث یعنی بیان رسول کا انکار اور رسول کا انکار ایک ہی مسئلہ ہے۔

### مقابل فراموشی بات

یہ بات فراموش نہ کرنا چاہئے کہ جو شخص رسول کا صحیح مقام نہیں پہچانتا، اس کی عظمت اور اس کے حقوق ادا نہیں کرتا وہ بھی رسولوں کے منکرین ہی کی صف میں شامل ہے، فرق صرف یہ ہے کہ ایک صاف منکر ہے اور ایک اقراری منکر ہے۔

**ایک اہم سوال**

منکرین حدیث سے یہ سوال بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ رسالت اور امامت کی دو حیثیتوں کی قسم کے بعد یہ بتلایا جائے کہ اسوۂ رسول کی پیروی کس حیثیت سے ہے، اگر حیثیت رسالت سے ہو تو اطاعت اس کا حق نہیں، اس حیثیت سے رسول کا حق صرف اس پر ایمان لانا ہے، اور اگر بحیثیت امامت قرار دی جائے تو پھر اسوۂ رسول ہی کی خصوصیت کیا ہے ہر امام اسوۂ حجت بن سکے گا، اور اگر یہ کہا جائے کہ اسوۂ رسول بعینہ قرآن پاک سے ہذا اس کی اطاعت قرآن کی اطاعت میں درج سے تویہ بتانا چاہئے کہ جب کتاب اللہ اور اسوۂ رسول میں کوئی فرق ہی نہیں تھا تو پھر قرآن کے بعد اسوۂ رسول کی ضرورت کیا تھی، اور اگر اس اسوۂ میں کچھ تفصیلات قرآن سے زیادہ تھیں تو پھر اس زیادہ میں رسول کی اطاعت کا جواب دیا جائے کہ وہ کس حیثیت سے ہے؟ رسالت کی حیثیت سے اطاعت واجب ہی نہیں ہو سکی اور امامت کی حیثیت اسوۂ بننے کے قابل نہیں ہے۔

پھر امامت و رسالت کے حقوق میں بھی تضاد ہے، رسول پر بقول منکرین حدیث صرف ایمان لانا واجب ہے مگر امام پر ایمان نہ لانا ضروری ہے، رسول ﷺ بیک وقت لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے تھے اور اس وقت اپنی اطاعت کا امر بھی فرماتے تھے مگر یہ نہیں بتایا جاسکتا کہ کبھی آپ نے اپنے ان دو مستضاد حقوق کو اپنے

مختلف منصبوں سے خود متعلق سمجھا ہوا یا دوسروں کو اس پر کبھی تنبیہ کی ہو، پھر اس وقت ان اُمّی مخاطبین کیلئے جنہوں نے منطق کا کوئی چھوٹا سا چھوٹا رسالہ بھی نہیں پڑھا تھا یہ تقریم کرنا کتنا مشکل ہوتا ہو گا کہ وہ ان متضاد حقوق کو ہمیشہ دو مختلف حیثیتوں کے ساتھ جدا جدا ملحوظ رکھیں، جب محمد عربی ﷺ بہ حیثیت رسول فائز ہوں تو ان پر فوراً ایمان لے آئیں اور جب بہ حیثیت امام نمودار ہوں تو انکار کر دیں اور کہہ دیں کہ یہ انکار بہ حیثیت امامت ہے نہ بہ حیثیت رسالت، یا یہ اطاعت بہ حیثیت امامت ہے نہ بہ حیثیت رسالت، یہ بات کس قدر مضحکہ خیز ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو مقام رسالت کے صحیح طور پر سمجھنے اور اس کے حقوق اطاعت و عظمت اور محبت کے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین بحرمۃ سید المرسلین وآلہ واصحابہ اجمعین۔

۲۲ / ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ بوقت ضحیٰ پنجشنبہ